ماہنامہ

پیغامِ صلح

حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

www.aaiil.org

ماہنامہ

پیغامِ صلح

جلد ۸۱ | نومبر، دسمبر ۱۹۹۷ء | شمارہ - ۱۱، ۱۲

اس شمارے میں

احباب کے نام ایک پیغام

میرے محترم بھائیو اور بہنو! السلام علیکم

جماعت کے سب احباب و خواتین کے نام' جہاں بھی وہ ہوں' میرا یہ پیغام ہے کہ وہ میرے ہم نفس ہو کر بارگاہ الٰہی میں گریہ وزاری کریں اور اس کے خاص الخاص رحم و کرم کے طالب ہوں۔ آپ میں سے کسی سے بھی یہ امر مخفی نہیں کہ آج بنی نوع انسان بڑے پر آشوب دور سے گزر رہا ہے۔ انسان نے انسان کے خلاف جہنم کے دروازے کھول رکھے ہیں۔

اس وقت مجھے خلیجی جنگ کے اسباب و عوامل پر بحث نہیں' تاہم روزمرہ واقعات سے افسوسناک نتیجہ ظاہر ہے کہ مسلم امہ کے مفادات پر کاری ضرب لگ رہی ہے طاقتور قوتیں اس میدان کارزار میں یعنی نئے نظام عالم کے خواب دیکھنے لگی ہیں' جو مسلم امہ کے لئے انجام کار کسی بھی صورت میں خیر و برکت کا موجب نہیں۔

اس وقت جان و مال کا اتلاف جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی' ہمارا اپنا اتلاف ہے' اس سانحہ و المیہ پر ہمارے دل بہت رنجیدہ اور مضطرب ہیں کیونکہ جہاں آج کل ہلاکت خیزی کا دور دورہ ہے وہاں کے خطہ اور دیار کے رہنے والوں سے ہمیں دلی وابستگی ہے۔ چند ہی روز پہلے جو زلزلہ آیا اس کی تباہی اور آج کل ملک کے بعض علاقوں میں جو بارشیں ہو رہی ہیں اس کی بربادی اس امر کا نشان ہیں کہ زمین و آسمان کی دیگر آفتوں نے بھی اپنے منہ کھول لئے ہیں۔ جن سے معاش و معیشت کے سینکڑوں مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں زمین پر رہنے والوں کی طرح طرح کے فسادوں نے جرائم میں بے پناہ اضافہ کر دیا ہے اور ان کی عمومی سفلی خواہشوں نے گناہ در گناہ کو فزوں تر کر دیا ہے۔ ان سب کا باعث اللہ تعالیٰ سے دوری اور اس کی اطاعت سے روگردانی ہے۔

اس پریشان حالی میں میرا خیال بار بار بانی سلسلہ احمدیہ کے اس ارشاد کی طرف جاتا ہے۔

آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
آسماں اے غافلو! اب آگ برسانے کو ہے

لہٰذا اے میری جماعت کے بھائیو اور بہنو! ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم نہایت تضرع و الحاء کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں جھکیں اور گریہ و زاری کریں۔ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کے حضور گڑگڑائیں کہ دعا ہی آج اس عالم گیر ابتلاء کے دور کی دوا ہے۔ بقول بانی سلسلہ احمدیہ:

اندریں وقت مصیبت چارہ ما بے کساں
خبر دعائے باداد و گریہ اسحار نیست

دعا ایک زبردست ہتھیار ہے۔ انسان کے بنائے ہوئے مہلک ہتھیاروں سے بھی بڑھ کر۔ اس موثر ہتھیار سے انبیاء کرام' اولیاء اللہ' ہمارے حضرت بانی سلسلہ اور ہمارے بڑے بزرگوں نے بھی اس ہتھیار سے کام لیا ہے۔ لہٰذا آپ سے بھی میری عاجزانہ اور دردمندانہ استدعا ہے کہ آزمودہ کار ہتھیار سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو اور آپ کی اضطراری دعاؤں کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

والسلام و دعا
آپ کا عاجز دینی بھائی
سعید احمد
دار السلام کالونی' لاہور
(پیغام صلح ۱۵ فروری ۱۹۹۱ء)

حضرت امیر مرحوم و مغفور ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب

حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب

تقریباً چالیس سال پہلے کی بات ہے میری بیوی بہت بیمار ہو گئی۔ دیر تک علاج ہوتا رہا بالاخر ایک لیڈی ڈاکٹر نے انتڑیوں کی ٹی بی تشخیص کی اور تین چار دواؤں سے علاج شروع کیا۔ بیماری پر تو فرق نہ پڑا البتہ کمزوری جو پہلے ہی بہت تھی اور بڑھ گئی۔ باہمی مشورے سے ہم لوگوں نے فیصلہ کیا کہ ڈاوڑ سینیٹوریم لے جایا جائے۔ ڈاکٹر صاحب وہاں کے سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ان سے رابطہ کیا۔ انہوں نے مہربانی سے وہاں داخلہ دے دیا۔ وہاں گئے کچھ ٹسٹ ہوئے ہوں گے۔ بہرحال ڈاکٹر صاحب نے فیصلہ کیا کہ اول تو مریضہ کو انتڑیوں کی ٹی بی ہے ہی نہیں۔ دوسرے اگر تھوڑا بہت شبہ ہوتا بھی تو کمزوری کے پیش نظر تین چار دواؤں کا اکٹھا استعمال مناسب نہیں تھا۔ ایک ہی دوائی دینی چاہئے تھی۔ آپ کی رائے میں اصل مرض پرانا ملیریا تھا جس کے لئے ٹیکوں کا کورس کروایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور مریضہ شفایاب ہو کر گھر واپس آ گئی۔ معلوم نہیں مرض کی علامات کیسی تھیں بعد میں بھی کبھی کبھی وہ بیمار رہیں تو کسی ڈاکٹر نے ٹی بی کے شبہ کا اظہار کیا تو کسی دوسرے نے ملیریا تشخیص کیا اور اسی کے مطابق نسخہ لکھا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس بیماری کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب مرحوم کے ساتھ قریب سے بات چیت کرنے کا موقع ملا۔ اس سے پہلے کبھی ان کے خطبے سنے ہوں گے۔ ان کے پیچھے نماز میں ان کی مخصوص قرات سنی ہو گی اور کبھی کبھی سلام سلام بھی ہوئی ہو گی۔ اس سے زیادہ نہیں۔

۱۹۷۴ء کے سانحہ کے وقت میں انجینئرنگ یونیورسٹی میں سرکاری کوٹھی میں رہتا تھا۔ وہاں حملہ ہوا اس کے بعد مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ مجھے دارالسلام بستی میں گھر بنانا چاہئے تاکہ چند ایک سال بعد جب ملازمت ختم ہو جائے تو اپنی جماعت کے ماحول میں بقیہ زندگی گذارنے کا موقع ملے۔ اس وقت تک ہماری جماعت کو اس بستی کی اہمیت کا بہت کم احساس تھا چنانچہ جب میں ناظم صاحب (فضل حق مرحوم و مغفور) سے ملا تو انہوں نے بستی کا نقشہ میرے سامنے رکھ دیا کہ بہت سے پلاٹ خالی ہیں جہاں چاہو انگلی رکھ دو۔ بہرحال میں نے عرضی دی اور مناسب کارروائی کے بعد مجھے ایک کنال والے پلاٹوں میں سے ۵۷ نمبر پلاٹ دے دیا گیا۔ مکانوں کی خرید و فروخت تعمیر وغیرہ کا ہمارے گھر میں کسی کو بھی کوئی خاص تجربہ نہ تھا بلکہ اس قسم کے کام ہماری طبیعتوں کے مطابق تھے ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مشکل اس طرح آسان کر دی کہ میری بڑی بیٹی اسماء اور اس کے میاں پرویز چشتی نے نیا نیا کام شروع کیا تھا۔ دونوں آرکیٹیکٹ ہیں۔ اس مکان کا سارا کام ان کے سپرد کر دیا۔ انہیں بھی پہلے کوئی تجربہ نہ تھا۔ یہ پراجیکٹ ان کے لئے بھی چیلنج بن گیا۔ اس کا نام انہوں نے A1 (اے ون) رکھا۔ آج بھی اس گھر کے متعلق انہوں نے کوئی بات کرنی ہو تو A1 کے نام سے ہی کرتے ہیں۔ بہرحال ۱۴ جنوری ۱۹۷۷ء قبل از نماز جمعہ مکان کی بنیادوں کے لئے زمین کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔ میں نے حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم سے درخواست کی تھی۔ انہوں نے پھاوڑے سے خوب نشانے پر پہلی ضربیں لگائی اور دعا فرمائی۔ بعد میں لوگوں نے مجھے بھی پھاوڑے سے ضربیں لگانے کے لئے کہا۔ میرا ہاتھ کبھی ادھر پڑے کبھی ادھر۔ مرحوم نے فرمایا "آپ نے یہ کام کبھی کیا نہیں میں نے کیا ہوا ہے۔"

مکانوں کی تعمیر کے حوالے سے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ میرے ساتھ والا پلاٹ نمبر ۵۸ بریگیڈیر عبداللطیف مرحوم کا تھا۔ انہوں نے بھی حضرت امیر مرحوم سے تعمیر کا آغاز کروایا تھا۔ اس سے اگلا پلاٹ نمبر ۵۹ خود حضرت امیر مرحوم کا تھا۔ بریگیڈیئر صاحب سے شاید کسی نے کبھی مکان کا سودا کرنے کو کہا تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں کسی قیمت پر بھی یہ مکان نہ بیچوں۔ اس کے ایک طرف حضرت امیر ہیں اور دوسری طرف آپ۔ وہ میری بھی عزت کرتے تھے کیونکہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں میں نے ان کی کلاس کو پڑھایا ہوا تھا۔

فروری ۱۹۷۹ء میں میں سرکاری ملازمت سے ریٹائر ہوا اور دو تین ماہ بعد ہی A1 میں منتقل ہو گیا اور ابھی تک یہیں ہوں۔ یہاں رہائش اختیار کرنے کے بعد حضرت امیر مرحوم سے ملاقات کے مواقع بہت بڑھ گئے۔ سب سے زیادہ یہ کہ پانچوں وقت نماز میں ملاقات ہوتی۔ حضرت امیر مرحوم چونکہ خود بھی نمازیں پڑھاتے رہتے تھے اس لئے اکثر ان کی منفرد قرات سننے کا موقع ملتا تھا۔

میں طبیعتاً" معتمدین کی ممبری سے الگ ہی رہتا تھا اس لئے دفتری اجلاس میں تو میں نہیں جاتا تھا البتہ ان کے علاوہ کوئی اہم معاملہ ہوتا تو مجھے بلوا لیتے۔ یہ معاملے زیادہ تر باہر کی جماعتوں سے متعلق ہوتے یا قرآن مجید اور بعض دیگر کتب میں جو کتابت وغیرہ کی غلطیاں رہ گئی تھیں ان کی اصلاح کے متعلق۔ میں نے انجینئرنگ یونیورسٹی میں ملازمت کے دوران قاعدے قانون کے مسودات تیار کرنے کا کام بھی کیا ہوا تھا۔ اس کا کچھ تجربہ رکھتا تھا۔ اسی لئے ایک دو بار اس قسم کا کام پیش آیا تو میرے سپرد کر دیا۔ کبھی کبھی بعض مضامین کے ترجمہ کا کام انگریزی سے اردو یا اردو سے انگریزی بھی میرے ذمے لگا دیتے تھے۔ اب اتنے سال گزرنے کے بعد یہ تو ٹھیک طور پر یاد نہیں کہ انہوں نے واضح حکم دیا تھا یا باتوں باتوں میں اشارہ کیا لیکن کئی سال جب تک میرے اندر ہمت رہی جمعہ کا خطبہ میرے ذمے لگا رہا اور شام کا درس قرآن بھی۔ ویسے آپ کا حکم انکساری کے رنگ ہی میں ہوتا تھا۔ دنیاوی افسران کے حکم کی طرح نہ ہوتا لیکن ہمارے لئے آپ کا اشارہ بھی حکم ہی کا درجہ رکھتا تھا۔ اس خدمت سے دوسروں کو فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مجھے ذاتی طور پر بہت فائدہ پہنچا۔ میری عمر درس و تدریس میں گزری تھی۔ کلاس میں لیکچر دینے جاتا تو تیاری کر کے یہی عادت جمعہ کے خطبوں اور درس قرآن میں رہی۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے میرے علم میں بہت اضافہ کیا۔ **فالحمد للہ علی ذالک۔**

حضرت امیر مرحوم سے ملاقات ہوتی تو ہاتھ بڑی مضبوطی سے ملاتے اور بعض اوقات تو دیر تک پکڑے رکھتے اور مجھے اکثر ان کی گرفت کی مضبوطی کا احساس ہوتا۔ کبھی کبھی شام کی سیر بھی ہم اکٹھے کر لیتے تھے لیکن اس میں باقاعدگی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ حافظ شیر محمد مرحوم بھی لاہور آئے ہوئے تھے۔ چند روز وہ بھی سیر میں شریک ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب تو کبھی کبھی صبح کی سیر بھی شاید کرتے تھے لیکن میں کبھی صبح کی سیر کے لئے اپنے آپ کو آمادہ نہیں کر سکا۔

مجلس میں بحث مباحثہ میں آپ زیادہ حصہ نہیں لیتے تھے۔ دوسروں کی باتیں خواہ کتنی ہی لمبی ہو جائیں تحمل سے سنتے تھے اور اپنی رائے کا اظہار مناسب وقت پر کر دیتے۔ میاں نصیر احمد فاروقی صاحب کے ساتھ آپ کے تعلقات خاص نوعیت کے تھے۔ دونوں طرف سے عقید تمندی کی طرح کا احترام تھا۔ مجھے نہیں یاد کہ کبھی انہیں آپس میں بحث کرتے دیکھا ہو۔ ایسا بھی ہوا کہ ہمارے ساتھ بات چیت کے دوران کسی رائے پر اتفاق ہوا لیکن بعد میں فاروقی صاحب نے مخالف رائے دی تو آپ نے قبول فرمائی۔

کبھی کبھی جامع میں موٹی سی کاپی لے آتے تھے۔ اس قسم کی ان کے پاس کئی ایک کاپیاں تھیں۔ ان میں زیادہ تر سید اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم کے الہامات' پیشین گوئیاں اور دیگر واقعات درج تھے۔ اپنے بزرگوں کے واقعات بھی ہوتے تھے اور بعض اولیائے کرام کا فارسی کلام بھی۔ ان میں سے کہیں کہیں سے ہمیں پڑھ کر سناتے تھے۔ سید اسد اللہ شاہ صاحب کا ذکر تو بہت ہوتا تھا۔

ڈاکٹری کے حوالے سے بھی امیر مرحوم کا وجود بہت نافع الناس تھا۔ دارالسلام میں کوئی بھی بیمار ہو آپ سے مدد ملتی تھی۔ مجھے اور میرے گھر والوں کو تو ان سے اکثر بہت فائدے پہنچے۔ ضرورت ہوتی تو کسی باہر کے ڈاکٹر سے بھی خود رابطہ قائم کرتے۔ اس کا اجر سوائے اللہ تعالیٰ کے کون دے سکتا ہے۔

مرحوم اپنی کی بیماری کے آخری دور میں بہت کمزور ہو گئے تو میں نے جانا اور ملنا بہت کم کر دیا تاکہ ان پر بوجھ نہ پڑے۔ انوار احمد مجھ سے اکثر کہتے تھے کہ آپ آ جائیں آپ کے ملنے سے وہ خوش ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود میں کم جاتا تھا کیونکہ یہ میری کمزوری ہے کہ زیادہ نقاہت اور بیماری کی حالت میں کسی کو دیکھا مجھے بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس کا ازالہ میں دعا مانگ کر کرتا رہتا۔ اللہ قبول فرمائے۔ آپ کے درجے بلند کرے۔ انہیں صالحین کے گروہ میں داخل کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین!

چند یادیں چند باتیں

بیگم رضیہ مدد علی

کسی بھی انسان کی زندگی کا علمی احاطہ کرنا ایک مشکل عمل ہے اور پھر خصوصاً ایک ایسے شخص کا جو ایک گمنام دیہات سے اٹھ کر ایک عالمگیر شخصیت بن کر ہزاروں انسانوں کی زندگی کو جذباتی' روحانی اور جسمانی و فکری طور پر متاثر کر دے۔ ایک خدا رسیدہ فقیر منش حکیم کا اکلوتا بیٹا جو عظیم ڈاکٹر بنا۔ خود ٹی بی کا شکار ہوا معجزاتی طور پر شفا پائی اور پھر اسی مرض سے بر سر پیکار ہوا۔ یہ مرض جو اس زمانہ میں لا علاج تصور ہوتا تھا اس کے سایہ سے لوگ بھاگتے۔ اپنے بھی ایسے مریض سے کنارہ کش ہوتے مسیحا بن کر اس مرد مجاہد نے بے شمار بجھتے چراغوں کو زندگی کی لو بخشی اور پھر زندگی کا بہترین حصہ بمع اہل و عیال انہی مریضوں کے درمیان بطور سپرنٹنڈنٹ ڈاڈر سینی ٹوریم گذار دیا۔

ڈاکٹر سعید احمد صاحب سے ہمارے خاندانی تعلق کا آغاز میرے والد حضرت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب مرحوم اور ان کے والد حکیم محمد یحییٰ صاحب کے دوستانہ تعلق سے ہوا۔ میرے والد ہر سال جب سے میں نے آنکھ کھولی گرمیوں میں بمع اہل و عیال دو مہینے کے لئے ایبٹ آباد جاتے۔ وہاں صوبہ سرحد کے احمدیوں کا ہمارے ہاں آنا جانا رہتا۔ وہاں میں اکثر حکیم محمد یحییٰ صاحب اور ان کے ڈاکٹری میں زیر تعلیم بیٹے سعید احمد کا ذکر سنتی رہی لیکن دونوں خاندانوں کی خواتین کا آپس میں کوئی رابطہ نہ تھا۔

میرے والد صاحب کے انتقال کے بعد میرے بھائی مرزا عبدالرحمٰن بیگ کا رشتہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی بڑی بیٹی عائشہ سے طے پایا اور اس طرح دونوں خاندانوں کی قربت میں اضافہ ہوا۔ میری والدہ ڈاکٹر صاحب سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتیں۔ جلسہ سالانہ کے ایام میں پوری فیملی کا قیام ہمارے گھر پر ہوتا۔ محبت و خلوص کی ناقابل فراموش یادیں۔ دونوں خاندانوں کا خلوص' تصنع و بناوٹ سے پاک رشتہ و مہمان نوازی کی قدریں مشترک تھیں۔ میری والدہ بے جی اور بوبو جی کو اپنی بیٹیاں اور ڈاکٹر صاحب کو اپنا حقیقی بیٹا سمجھتی تھیں۔ اس لئے میں ڈاکٹر صاحب کو ہمیشہ اپنا بھائی بے بے جی اور بوبو جی کو بہن کہتی۔

زمانہ نے ایک اور کروٹ لی۔ میری چھوٹی بہن کو ٹی بی ہو گئی۔ اس کو علاج کے لئے ڈاڈر سینی ٹوریم لے جانا پڑا۔ تیمارداری کے لئے میری والدہ اور میری بہن کو ساتھ جانا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب کا اصرار تھا کہ وہ ان کے گھر ان کے پاس رہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ میں نے تعلیم مکمل کر لی تھی اور اب لوگوں کے تشخص کا بخوبی مطالعہ کر سکتی تھی۔ میں ایبٹ آباد کے سکول میں بہن کی بیماری کے دوران پڑھانے لگی لیکن ڈاڈر کا چکر لگتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب کا گھر جماعت کے بیماروں کے لئے گوشہ عافیت تھا۔ صبح سے رات تک مہمانوں کا تانتا بندھا رہتا۔ نہ ان کے نوکر تھکتے نہ اہل خانہ کے ماتھے پر بل آتا۔ سادہ لباس و خوراک۔ صحیح مساوات کا نقشہ۔ ان کے بچے مرد نوکروں کو عمر کے مطابق لالہ یا کاکا کہتے اور عورت ملازمہ کو ماسی کہتے۔ ان کے بچے اور ملازمین کے بچے ایک ہی یونیفارم میں ڈاڈر کے پرائمری سکول میں پڑھتے۔ بے حد مصروف زندگی کے باوجود ڈاکٹر صاحب بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ باجماعت نمازیں' کھانے کے دوران اور سفر کے دوران بچوں کو دینی تربیت دیتے۔ بچوں کے لئے عام باپوں کی طرح "ہوا" نہیں' رفیق کا درجہ رکھتے۔ بچے بے تکلف سوال کرتے

اور انہیں پورا پورا جواب ملتا۔

پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ایبٹ آباد میں قیام پذیر ہوئے تو وہاں جماعت کے مبلغین کی تربیت کے لئے سمر کیمپ لگاتے۔ لاہور کی گرمی سے انہیں پناہ دیتے۔ اپنی مسجد کے مہمان خانے میں۔ پھر ۷۴ء کے سانحے سے آپ سب واقف ہیں۔ انہیں ایبٹ آباد سے لاہور ہجرت کرنی پڑی اور اس طرح آپ کامل طور پر جماعت کے کام سے منسلک ہو گئے اور حضرت مولانا صدر الدین صاحب کی وفات کے بعد جماعت لاہور کے امیر منتخب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو وقت کی ضرورت کے مطابق امیر جماعت عطا کئے۔ بے سروسامانی میں قادیان سے مسیح موعود حضرت مرزا غلام احمد کی تعلیمات کو بچانے کے لئے پہلا امیر مولانا محمد علی صاحب کی صورت میں علم کا ایک سمندر عطا کیا۔ جس نے جماعت کی اجتماعی کوشش کے ذریعہ عالم اسلام کو علم کے ابدی بے پناہ خزانے عطا کئے اور پھر حضرت مولانا صدر الدین جماعت کے معمار (Architect) جنہوں نے برلن میں تاج محل جیسی خوبصورت مسجد بنائی۔ اپنی خوبصورت شخصیت سے خوش گفتاری اور علم سے مغربی دنیا کو اسلام سے متعارف کرایا۔ ان کی کاوشوں کے نتیجہ میں دارالسلام و احمدیہ مارکیٹ اور فلیٹس سے انجمن کو مالی استحکام ملا اور پھر امیر سوم حضرت ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے انجمن کی بیرونی جماعتوں میں ایک نئی روح اور استحکام پیدا کیا۔ بیرونی جماعتوں کے بنفس نفیس سالانہ دوروں سے ان کے انتظامی امور کی اصلاح کی۔ مرکز سے رابطہ کا ٹھوس بندوبست کیا۔ ہر بیرونی مرکز میں سالانہ بین الاقوامی اجلاس کی داغ بیل ڈالی۔ جس سے مشرق و مغرب کے فاصلے کم ہو گئے۔ شمال و جنوب سے مبلغین، مندوبین و اکابرین کے آمدورفت، علم و اخوت کے تبادلہ سے جماعت نے بفضل تعالیٰ ایک خاندان کی صورت اختیار کرلی۔ اخبارات رسائل و خبرناموں سے دوری کا احساس مفقود ہو گیا۔

خواتین، جماعت احمدیہ کی ہمیشہ سے ایک فعال عنصر رہی ہیں۔ مالی جہاد میں بے مثل لیکن ان کی تبلیغی و علمی مساعی کا سلسلہ پاکستان تک محدود تھا۔ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب نے ۱۹۷۹ء کے سرینام بین الاقوامی اجلاس میں اپنے اور حضرت نصیر احمد فاروقی مرحوم کی معیت میں اس عاجزہ کو بطور مندوب مرکزی جماعت احمدیہ لاہور انتخاب کرکے اس کمی کو پورا کر دیا۔ یہ میرے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی خاتون کو بطور مندوب مرکزی جماعت سے بھیجا گیا ہو۔ ان دو عظیم انسانوں کے ساتھ سرینام کے بعد ہالینڈ، گیانا، ٹرینیڈاڈ اور انگلینڈ بطور مندوب مرکزی جماعت کے اللہ تعالیٰ نے کئی بار مواقع دیئے۔ یہ اس کا احسان ہے۔ ان کا ہمسفر ہونا اور پھر اللہ تعالیٰ کے نشانات دیکھنا۔ یہ ایک علیحدہ موضوع ہے۔ ہر شہر میں جہاں حضرت امیر جاتے۔ ان کے اجلاس اکثر بعد نماز مغرب ہوتے۔ آدھی رات تک جاری رہتے اور پھر سارا دن ممبران جماعت کے گھروں میں جا کر فرداً فرداً رابطہ کرنا۔ خدا نے انہیں اس کے لئے خاص عزم و طاقت عطا کی تھی پھر ان کے نام یاد رکھنا اور پاکستان واپسی پر ان کے جماعتی و ذاتی امور پر خط و کتابت کرنا یہ انہی کا کام تھا۔ وہ انہیں اپنی اولاد سمجھتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے۔ ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق عطا فرمائے آمین۔

انگریزی سے ترجمہ

فائزہ عزیز۔ بی اے

اللہ کا ایک نیک اور سچا بندہ

محترمہ ثمینہ ساہو خان۔ کولمبس۔ اوہائیو

انتہائی صدمے اور محرومی کے شدید احساس کے ساتھ میں اپنے پیارے حضرت امیر مرحوم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جنہیں ہم احترام اور محبت سے جان جی کہتے تھے کی وفات پر یہ تعزیتی مضمون لکھ رہی ہوں۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

بے شک ہم اللہ کے لئے ہیں اور ہمیں اسی کے طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اس سے پہلے بھی "بشارات احمدیہ" کے دسمبر ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں جو ہمارا سہ ماہی خبرنامہ ہے' حضرت امیر مرحوم کی زندگی کی مختصر تاریخ شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر زاہد عزیز صاحب نے بھی رسالہ لائٹ کے نومبر' دسمبر ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں ان کے حالات زندگی کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے۔

اس مضمون میں میں اس امر پر روشنی ڈالوں گی کہ کس طرح حضرت امیر مرحوم نے اپنی پاک اور روحانی زندگی کے ذریعے مجھے اس طرح پر متاثر کیا کہ مجھ میں اسلام کے لئے بے انتہا جذبہ پیدا ہو گیا اور اسی جذبے نے مجھے جماعت احمدیہ کا ایک فعال فرد بنا دیا۔

حضرت امیر مرحوم نے اپنی پوری زندگی میں آخر دم تک "دین کو دنیا پر مقدم رکھنے" کے عہد کو کمال وفاداری اور اخلاص سے نبھایا۔ پچھلے چودہ برس سے وہ ہمارے امیر تھے اور سب اس بات سے روحانی لذت محسوس کرتے تھے کہ ہمارا امیر ایک ایسا شخص ہے جس نے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کو دیکھا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

مسیح زمان کا ایک چشم دید گواہ ہمارے لئے ایک انمول تحفہ تھا اور ان سے مل کر اس زمانے کی باتیں خود ان کی زبان سے سن کر یوں لگنے لگتا تھا کہ چند لمحوں کے لئے ہم اس پر کیف روحانی زمانہ میں چلے گئے ہیں۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات سے اب ہم مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے آخری شخص کی معیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

اسلام قبول کرنے کے تین سال بعد ۱۹۷۴ء میں میں اپنے خاندان کے ساتھ فجی سے کینیڈا منتقل ہو گئی۔ وہاں ہم نے حافظ شیر محمد خوشابی صاحب مرحوم (خدا انہیں جنت میں جگہ دے) کی ترغیب پر وینکور میں جماعت احمدیہ' لاہور قائم کی۔ حالانکہ ہم حافظ صاحب مرحوم کے بہت قریب تھے اور جماعت کے کاموں میں پورے انہماک سے مصروف عمل تھے لیکن یہ حضرت امیر مرحوم کا ۱۹۸۲ء میں وینکور کا دورہ تھا جس نے جماعت سے ہماری وابستگی کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔

انہوں نے ہمارے گھر پر چار دن قیام کیا۔ ان کی نیکی' روحانیت اور شفقت نے ہمیں بے حد متاثر کیا۔ اس سے پہلے مجھے کسی ایسے بزرگ انسان کو دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا۔ جب وہ واپس روانہ ہوئے تو ہمارا سارا خاندان بہت اداس تھا اور ان کی کمی کو شدت سے محسوس کیا۔ ان کے مختصر قیام کے دوران میرا حضرت امیر مرحوم کے ساتھ

ایک مضبوط تعلق قائم ہو گیا اور پھر ان کے ساتھ باقاعدگی سے خط و کتابت شروع ہوئی اور فون پر رابطہ بھی رہتا۔

۱۹۸۴ء میں میرے شوہر یاسین ساہو خان سرینام میں کنونشن میں شرکت کرنے کے لئے اکیلے جا رہے تھے۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ حضرت امیر مرحوم بھی پارا ماریبو کنونشن میں مسجد کی افتتاح کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو میں نے فوراً سرینام کے لئے اپنی سیٹ بک کروائی کیونکہ میرے دل میں انہیں دوبارہ دیکھنے کی خواہش تھی۔

کنونشن کے دوران میں میں نے ذاتی طور پر حضرت امیر مرحوم کی اس خاص خوبی کا مشاہدہ کیا کہ وہ جماعت کے ہر فرد کے سماجی رتبہ سے قطع نظر اس کا خیال رکھتے ہیں۔ ایک دن صبح کی نشست میں مجھے بیٹھنے کے لئے جگہ نہ ملی۔ میں کنونشن ہال میں ایک طرف کھڑی تقریریں سن رہی تھی کہ حضرت امیر مرحوم کی نظر مجھ پر پڑی۔ انہوں نے فوراً بھائی حامد رحمان کو جو کہ ان کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے کہا کہ مجھے بلائیں اور اپنے برابر میں بیٹھنے کی جگہ دی۔ ایک دوسرے موقع پر جب میں کنونشن کے دوران بیمار ہو گئی تو وہ اپنی مصروفیت کے باوجود خاص طور پر مجھے دیکھنے کے لئے آئے۔ حضرت امیر مرحوم نے فجر سے رات گئے تک جلسہ کے دس دن تمام سرگرمیوں میں بھرپور طریق پر شرکت کی۔

وہ ہر ایک سے ذاتی طور پر ملتے اور بات چیت کرتے تھے۔ ۸۰ سال کی عمر ہونے کے باوجود وہ جلسہ کے دوران اس طریق پر کاربند رہے۔ انہوں نے میرے شوہر یاسین صاحب اور مجھے یو ایس اے کنونشن میں شرکت کی دعوت دی جو ایک ماہ بعد کیلیفورنیا میں منعقد ہونا تھی۔ یاسین صاحب کو حضرت امیر مرحوم نے مغرب اور عشاء کی نمازوں کی امامت کرنے کا اعزاز بھی بخشا۔

۱۹۸۵ء میں جنوبی افریقہ احمدیہ کیس میں جب ہمارے حق میں فیصلہ ہوا تو میں نے حضرت امیر مرحوم کو فون پر یہ خوشخبری سنائی کہ خدا تعالیٰ کے خاص فضل اور رحمت سے ہم مقدمہ جیت گئے ہیں تو آپ نے یہ تجویز کیا کہ مجھے گھر واپس جانے کی بجائے سیدھا لاہور سالانہ جلسہ میں شرکت کرنے کے لئے آنا چاہئے۔ جب میں رات دس بجے لاہور ائرپورٹ پر اتری تو میں یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئی کہ حضرت امیر مرحوم خود مجھے لینے کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیٹی مسز زبیدہ محمد احمد، مسز ذکیہ شیخ اور جناب فضل احمد صاحب اور مسز فضل احمد بھی تھیں۔ میرے دل پر اس کا بے حد اثر ہوا اور میں دل ہی دل میں شرمندہ بھی تھی کہ جماعت کے سربراہ پچاسی سال کی عمر میں اپنے آرام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میرے استقبال کے لئے آئے ہیں۔ ایسی انکساری اور وسعت قلبی صرف ان لوگوں میں ہوتی ہے جو خدا تعالیٰ کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ میں ان کی بیٹی زبیدہ محمد احمد صاحبہ کے ساتھ ٹھہری۔ حضرت امیر مرحوم مجھے اپنے گھر لانے کے لئے روزانہ میرے لئے کار بھجواتے تھے۔ جہاں میں دن کا باقی سارا وقت گذارتی تھی۔ ہم لمبی لمبی بحثیں کرتے تھے جن میں حافظ شیر محمد خوشابی صاحب، چوہدری منصور احمد صاحب اور بھائی انوار احمد صاحب بھی شامل رہتے۔ ان سے مجھے ایک باپ کی شفقت ملی۔ میں ان کو اپنا باپ اور ان کے بچوں کو اپنے بہن بھائی سمجھنے لگی۔

وہ بہت نرم دل انسان تھے۔ انہوں نے کبھی کسی سے ملنے سے انکار نہیں کیا خواہ وہ جلسہ کے پورے دن کی کارروائی سے کتنے ہی تھکے ہوئے ہوتے۔ ان کی افتتاحی اور اختتامی تقریریں اور دعا حاضرین کو رلا دیتی تھی۔ ان کی محبت اور ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کی تڑپ نے مجھے اگلے تیرہ برسوں میں جلسہ پر آنے پر مجبور کیا۔ اور پچھلے تین برسوں میں میں نے انہیں ملنے کے لئے سال میں کئی بار پاکستان کا سفر کیا۔ گذشتہ دسمبر میں جامع بھری ہوئی تھی لیکن حضرت امیر مرحوم کے بغیر وہ خالی خالی نظر آتی تھی۔ ان کی کمی شاید کبھی پوری نہ ہو سکے۔

جب ۱۹۸۸ء میں میں نے حضرت امیر مرحوم کو اپنا ایک خواب سنایا جس میں میں نے دیکھا تھا کہ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و

مغفور مجھے قرآن دے رہے ہیں جس کا رنگ معمول کے سبز رنگ کی بجائے سرخ ہے۔ حضرت امیر مرحوم نے قرآن کے رنگ کے تبدیل ہونے کا مطلب اس کا دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنا بتایا اور شاید اس کا مطلب روسی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی تھا جو اب زیر تکمیل ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ کام کروانا چاہتا ہے۔ اور پھر انہی کی حوصلہ افزائی اور اجازت سے میں نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کا کام شروع کیا اور بعد میں دوسری زبانوں میں بھی۔ وہ خاص طور پر ہمارے لٹریچر کا جرمن زبان میں ترجمہ چاہتے تھے اور خدا کے فضل سے اب تک ہم جرمن زبان میں آٹھ کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محمد علی صاحب کی "ریلیجین آف اسلام" اور "اے مینول آف حدیث" شامل ہیں۔

جب کبھی میں انہیں رات گئے یا صبح سویرے فون کرتی تھی تو ان سے بے وقت تکلیف دینے پر معذرت کرتی تھی تو وہ مجھے یہ جواب دیتے تھے کہ یہ کام ان کے لئے ان کے آرام سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اور کبھی ناراض یا پریشان نہیں ہوئے۔

وہ ہمیشہ تراجم اور اشاعت کے کام اور جماعت کی دوسری سرگرمیوں جیسے کتابی میلوں میں شرکت اور بیرونی جماعت کے دوروں کے بارے میں تفصیلات بہت خوشی اور دلچسپی سے سنتے تھے۔

ان کی زندگی کا مقصد اسلام اور تحریک احمدیت کی خدمت تھی۔ حضرت امیر مرحوم کو امریکہ جماعت سے ایک خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ ذاتی طور پر ہر ایک ڈائریکٹر کو جانتے تھے اور ڈائریکٹرز بھی حضرت امیر مرحوم سے بڑی عقیدت رکھتے تھے اور ان کا بے حد احترام کرتے تھے اور ہمیشہ ان کی نصیحت پر عمل کرتے تھے۔ امریکہ جماعت نے جتنے بھی کام کئے وہ ان کی تحریک اور حوصلہ افزائی کی بدولت کئے۔ ان کاموں میں تراجم اور اشاعت کے کام، لندن میں مرکز خریدنے کے لئے عطیہ جات اور جامع برلن کی مرمت اور جنوبی افریقہ کے مقدمات شامل ہیں۔

حضرت امیر مرحوم کے دروازے ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ وہ ان کی تکلیفوں اور پریشانیوں کو غور سے سنتے اور ان کے لئے دعا بھی کرتے۔ جب کبھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی تو میں بھی دوسروں کی طرح ان سے مدد اور مشورہ لیتی اور ان سے دعا کی درخواست کرتی۔ ایک دفعہ ۱۹۸۹ء میں جنوبی افریقہ میں میں اکیلی تھی اور خود کو بہت تنہا اور خدشات میں گھری ہوئی محسوس کر رہی تھی کیونکہ مجھے بہت سے اہم فیصلے کرنے تھے۔ مجھے حضرت امیر مرحوم کا فون آیا اور انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ انسان کبھی اکیلا نہیں ہوتا کیونکہ خدا ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کے الفاظ نے مجھے بے حد سکون دیا اور مجھے قوت اور تحفظ کا احساس دیا۔ حضرت امیر مرحوم کا اس طرح جماعت کے ہر فرد کے لئے حقیقی معنوں میں فکرمندی سے ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ آپ اسی کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ ان کی شفقت، تواضع، انکساری اور روحانی عظمت پاکستان اور بیرون پاکستان جماعتوں میں باہم اتحاد اور یگانگت کو بڑھانے کا موجب ہوئی۔

میں نے ۱۹۸۸ء سے اشاعت اور تراجم کے کام میں حصہ لینا شروع کیا اور جب بھی میں اور ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک سالانہ دعائیہ میں لاہور آتے تو صبح کئی کئی گھنٹے ان کے ساتھ گذارتے اور اشاعت اور جماعت کے دوسرے معاملات پر ان سے بات چیت کرتے تھے۔ ہم نے ان کی زندگی کے حالات اور واقعات خود ان کی زبانی ویڈیو پر ریکارڈ کئے ہیں۔

حضرت امیر مرحوم کے اہل خاندان نے بیماری کے دوران ان کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمتوں سے نوازے۔ میں خصوصی طور پر انوار احمد صاحب کا ذکر کروں گی جنہوں نے پچھلے پندرہ سال سے حضرت امیر مرحوم کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا۔ خدا تعالیٰ انوار احمد صاحب اور ان کے اہل و عیال کو اس قربانی کا اجر دے۔

ستمبر ۱۹۹۶ء میں کشمیر کے دورہ سے واپس آنے کے بعد میں نے حضرت امیر مرحوم سے لاہور میں ملاقات کی اور ان کے پاس ایک ہفتہ ٹھہری۔ اس دوران میں مجھے بہت تیز بخار ہو گیا۔ آپ دن میں کئی مرتبہ میری خیریت دریافت کرنے کے لئے آتے۔ روانگی کے دن میں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور ان سے جدا ہونے کے خیال کی وجہ سے رو رہی تھی آپ کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ انہوں نے مجھے اپنے لئے دعا کرنے کے لئے کہا اور کہا کہ خدا نے چاہا تو دسمبر میں دعائیہ کے موقع پر پھر ملیں گے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ پھر یہ ملاقات نہ ہو سکے گی۔

نومبر ۱۹۹۶ء میں ان کی وفات سے دو ہفتے پہلے ان کے بیٹے ڈاکٹر عبدالکریم سعید نے مجھے اطلاع دی کہ وہ ہسپتال میں سخت بیمار ہیں۔ میں نے ان کے پاس جانے کے لئے فوراً پاکستان کے لئے سیٹ بک کرائی۔ چوہدری منصور احمد صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ بھی اس فلائٹ پر میرے ساتھ تھے۔ اگلے دن جب میں ہسپتال کے کمرے میں داخل ہوئی تو میں نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ میں ثمینہ ہوں اور انہیں دیکھنے کے لئے آئی ہوں۔ انہوں نے مجھے جواب دیا کہ ثمینہ بہت خوبصورت نام ہے اور میرا ہاتھ لیا اور اسے چوما۔ تب ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب آگے بڑھے انہوں نے حضرت امیر مرحوم کو بتایا کہ میں قرآن مجید کے چینی زبان میں ترجمے کا ٹائپ سیٹ لائی ہوں اور یہ کہ میں آئندہ سالانہ دعائیہ پر روسی اور جرمن ترجمہ قرآن کے ٹائپ سیٹ بھی لاؤں گی۔ انہوں نے ان کو دوسرے تراجم اور اشاعت کے کام کے بارے میں بھی بتایا۔ حضرت امیر مرحوم ہر بار اونچی آواز میں کہتے الحمد للہ۔ انہوں نے یہ سات یا آٹھ مرتبہ کہا۔ یہ ان سے میری آخری لمبی گفتگو تھی۔

اس سے ان کی اسلام اور تحریک احمدیت کے لئے انتہائی محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان آٹھ دنوں کے قیام کے دوران میں مجھے حضرت امیر مرحوم کے لئے ان کے خاندان کی محبت اور خدمت نے بے حد متاثر کیا۔

میں اگلے جمعہ کو امریکہ کے لئے روانہ ہو گئی کیونکہ مجھے ان کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا تھا جن کو سالانہ دعائیہ پر پیش کرنے کا میں نے وعدہ کیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ حضرت امیر مرحوم ہسپتال سے گھر واپس جائیں گے اور میں ان سے سالانہ دعائیہ پر دوبارہ ملوں گی لیکن خدا تعالیٰ کی مرضی کچھ اور تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ان کی حالت اتنی تیزی سے خراب ہو جائے گی تو میں رک جاتی۔ جب میں نے یہ خبر سنی کہ آپ فوت ہو گئے ہیں تو مجھے بے حد صدمہ ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ میں برباد ہو گئی ہوں اور شاید اب میں یہ کام جاری نہ رکھ سکوں گی کیونکہ میرا روحانی سہارا ختم ہو چکا ہے لیکن میری جماعت کے لوگوں نے مجھے سمجھایا کہ حضرت امیر مرحوم چاہتے تھے کہ میں اس کام کو جاری رکھوں۔ اب میں نے مصمم ارادہ کیا ہے کہ میں اپنی کوشش کو دگنا کروں گی اور ان کے کام کو جو انہوں نے شروع کیا تھا اور جس کے لئے وہ ہمیشہ میری حوصلہ افزائی فرماتے تھے جاری رکھوں گی۔

جب کبھی بھی میں حضرت امیر مرحوم کے بارے میں سوچتی ہوں تو مجھے دکھ اور محرومی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی وفات کا صدمہ ابھی بھی میرے ذہن میں تازہ ہے لیکن میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے موقع دیا کہ میں اس درویش اور عظیم شخص کے ساتھ کام کروں اور ان کے بہت قریب رہ سکوں۔

میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں ان کا اجر جنت میں عطا فرمائے۔

پیارے امیر مرحوم

بیگم طاہرہ فضل احمد

اب دور جا چکا ہے وہ شاہ گدا نما
اور پھر سے اپنے دیس کی راہیں اداس ہیں

ابھی ایک مہینہ پہلے ہم نے خواتین کی میٹنگ میں حضرت امیر مولانا محمد علی مرحوم کی یاد تازہ کی تھی۔ پینتالیس برس گزر گئے جب وہ ہمیں چھوڑ گئے تھے اور آج پھر ہم اپنے پیارے امیر مرحوم جن کو ہم سب "جان جی" کہتے تھے کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ میرا دل اور دماغ بے شمار خیالات سے بھرا پڑا ہے۔ اسی طرح آپ سب کے دل بھی ان کے لئے عقیدت اور محبت کے جذبات سے پر ہوں گے۔ میرے پاس تو ایسے الفاظ نہیں جن سے میں ان کی خوبیوں کو بیان کر سکوں۔ ان کی زندگی کا ہر پہلو آفتاب کی مانند روشن اور تابناک تھا۔ بہرحال ہمیں تو اب اس بیش قیمت چراغ کی لو کو روشن رکھنا ہے۔ ان کی شخصیت کیا تھی؟ وہ صرف اپنے خون کے رشتہ داروں کے لئے ہی شفیق ہستی نہ تھے بلکہ پوری جماعت کے مشفق تھے۔ ہر چھوٹا بڑا سمجھتا تھا کہ وہ اسی سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ کوئی دکھ' تکلیف یا پریشانی ہو تو فوراً "جان جی" کو دعا کے لئے عرض کیا اور اپنا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ ذرا سوچئے کہ ان کے دل اور دماغ پر کتنے بوجھ تھے اور زندگی کن مشکلات سے گزر رہی تھی۔ جوانی میں ہی ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے جو اس زمانے میں مہلک سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے شفا دی اور وہ ہزارہا مریضوں کے لئے مسیحا بنے رہے۔ دوا بھی دیتے تھے اور دعا بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان سے بہت عظیم الشان کام لینا تھے تو ان کو گولیوں کی بوچھاڑ سے نکال کر لاہور لے آیا۔ ۱۹۴۷ء کا واقعہ آپ سب کو معلوم ہے۔ اس لئے دہراتی نہیں۔ دیکھئے کہ انہوں نے کس بہادری اور صبر و استقلال کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیا۔ جب ریٹائر ہو کر اپنے گھر میں اطمینان سے بیٹھنے کا وقت آیا تو وہ چھوڑنا پڑا اور لاہور آ کر جہاں کے گرم موسم کے وہ عادی نہ تھے رہائش اختیار کی۔ پھر ہمارے سلسلے کا وہ دور شروع ہوتا ہے کہ ایک مایوس اور مشکلات میں گھری ہوئی جماعت کو نئی امنگ اور نیا راستہ دکھایا اور حضرت مسیح موعود اور حضرت مولانا محمد علی مرحوم نے جو کام اس جماعت کے سپرد کیا تھا اس کے اندر ایک نئی روح پھونکی۔ اگر حکومت نے پابندیاں لگا دیں تو نئے راستے تلاش کرنے کے لئے یہ کمزور جسم لیکن بلند ارادوں والا خدا کا بندہ بیرونی ممالک کے دوروں پر نکل کھڑا ہوا۔ تین دفعہ مجھے اور فضل احمد کو بھی ان کے ساتھ جانے کا شرف حاصل ہوا۔ سبحان اللہ کیا لگن تھی اور کس طرح انتھک ارادے تھے۔ بیان کرنے لگوں تو ایک دفتر درکار ہے۔ ان کی زندگی میں صدمے بھی بہت آئے۔ جوان پوتے کی حادثاتی موت کی خبر بیرون ملک سے واپسی پر ملی۔ پھر اس داماد (محمد احمد) کی مہلک بیماری جو کہ جماعت کے کاموں میں ان کا دست راست تھا' دعائیں اور التجائیں کام نہ کر سکیں اور وہ پردیس ہی میں اپنے مولا سے جا ملا لیکن اس مرد مجاہد نے اپنی کوشش جاری رکھی اور جب ان کے بیٹے عبداللہ سعید نے ہسپانوی ترجمہ قرآن کے لئے تگ و دو شروع کی تو بے حد خوش ہوئے اور جس خاتون کو ترجمہ کرنا تھا اسے لینے کے لئے خود بھی دوپہر چلچلاتی دھوپ میں ایئرپورٹ تشریف لے گئے اور گھر آ کر کافی دیر تک اس سے بات چیت کرتے رہے۔ اس طرح اور تراجم کے لئے بھی راستے کھلتے گئے اور وہ ہر کام میں بڑے زور شور اور انہماک کے ساتھ حصہ

لیتے رہے۔ وہ مشورہ دیتے اور دعا بھی کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوان بیٹے (عبداللہ سعید) کی جدائی کی آزمائش آئی اور جوان بہو بھی چھوٹے بچوں کی ذمہ داری ان نحیف کندھوں پر ڈال کر اپنے مولا سے جا ملی۔ غرض کیا بتاؤں یہ اسی مرد مجاہد کا دل تھا جس نے یہ سب غم سہے لیکن کمر باندھ کر اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے کام پر لگے رہے۔ کبھی ظاہر نہ کیا کہ دل پر کیا گزرتی رہی۔ اب کون کون سی باتوں کو یاد کریں۔ ہم کو چاہئے کہ اس عظیم الشان ہستی کی زندگی سے ایک چھوٹا سا ذرہ ہی چن لیں تو بہت ہے۔ وہ بے شمار خوبیوں کے مالک تھے اور جیساکہ میں نے کہا میرے پاس الفاظ نہیں کہ انہیں بیان کر سکوں۔ ان کی ایک خوبی جس کی طرف میں آپ کی توجہ دلانا چاہتی ہوں اور جو خاص طور پر میرے مشاہدہ میں آئی تھی وہ یہ تھی کہ وہ کبھی کسی بات کا برا نہ مانتے تھے۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو فرشتہ سیرت لوگوں کو دکھ دینے والی باتیں کہہ دیتے ہیں۔ برا تو ان کو ضرور لگتا ہو گا لیکن وہ اس شخص کے لئے اپنے دل میں غصہ نہ رکھتے تھے۔ اس سے نہایت شفقت کے ساتھ گفتگو کرتے اور جب بھی ملتے محبت سے پیش آتے۔ یہ بات مجھے فضل احمد نے بتائی کہ انجمن کی میٹنگز میں کئی لوگ ناگوار بات کہہ دیتے یا اختلاف رائے ہو جاتا تو نہایت تحمل کا مظاہرہ کرتے اور اونچی آواز یا ناراضگی سے جواب نہ دیتے۔ پس ہم سب کو چاہئے کہ اگر انہیں کوئی خراج عقیدت پیش کرنا ہے تو ان کی روح کو خوش کرنے کے لئے سلسلے میں پوری لگن' اتحاد اور خلوص دل کے ساتھ کام کریں۔ انہوں نے سب کچھ سہا اور اس کام کو ترجیح دی تو ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اپنی پوری کوشش اس راستے پر لگا دیں۔ ان کی دعائیں اور ان کی بتائی ہوئی راہیں ہمارے سامنے ہیں۔ ہم میں سے ہر مرد اور عورت اور ہر چھوٹا اور بڑا یہ عزم کرے کہ ہمارے بزرگ جو قربانیاں دے گئے ہیں وہ ضائع نہ جائیں۔ جب ہم احمدی کہلاتے ہیں تو للہ وہی طور طریق اختیار کریں جو ایک احمدی کے شایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ دل سے کام کرنے والوں کی کوشش کو ضائع نہیں کرتا۔ اگر ہم ہر معاملہ میں یہ سوچیں کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح عمل کیا تو یقیناً ہماری کوششیں ضائع نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو اس بات کی توفیق عطا کرے۔ آمین' بس یہی ہمارا بہترین خراج عقیدت ہے جو اس بیش قیمت ہستی کو ہم پیش کر سکتے ہیں۔

تمہیں مردہ کہوں کیونکر کہ تم زندوں میں زندہ ہو
تمہاری نیکیاں زندہ' تمہاری خوبیاں باقی

حضرت امیر کا بچپن

صفیہ سعید

تقریباً ایک صدی ہونے کو ہے کہ دیب گراں نامی گاؤں میں نور کی ایک کرن پھوٹی، نور فرقان کا اجالا دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا جس کا مقدر تھا اور مسیح دوراں کی جماعت کی امارت جس کا نصیب۔ یہ غلام، غلام احمد، مولوی حکیم محمد یحییٰ کے نور نظر کا ذکر ہے جنہیں خود مسیح موعود نے سعید احمد کے نام سے موسوم کیا اور جنہوں نے کہیں ڈاکٹر سعید احمد کے نام سے جسمانی مریضوں کی طبابت اور جراحی کی اور حسن کارکردگی کے اعتراف میں خان صاحب، خان بہادر اور ستارۂ خدمت کے اعزازات پائے اور کہیں مسیح وقت کی جماعت کی خدمت گزاری اور امارت کے شرف سے مشرف ہوئے اور حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کا لقب پایا۔

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان اپنے والدین کی دوسری اولاد اور اکلوتے فرزند تھے۔ آپ کے عم زاد بھائی حکیم محمد اسحاق آپ سے کافی بڑے تھے اور ہمشیرہ نور جہان بیگم بھی سیانی ہو چکی تھیں اس لئے آپ گھر بھر کی آنکھ کا تارہ تھے۔ ایک طرف والد اور چچا حکیم مولوی محمد یعقوب صاحب کے پیار اور لاڈ کا مرکز اور دوسری طرف ماں اور بہن نازبرداری کے لئے ہروقت موجود۔ مگر عمدہ تربیت اور گھر کے ماحول نے آپ کو بگڑنے نہیں دیا بلکہ اسی ماحول کے اثرات آپ کی شخصیت میں نمایاں تھے اور بچپن میں ہی آپ کے مضبوط کردار اور ہشت پہلو شخصیت کی داغ بیل پڑ گئی۔

آپ کا کنبہ چند نفوس پر مشتمل تھا مگر اس مختصر سے کنبے کے ہر فرد کے دل میں ایمان کی شمع روشن تھی اور ہر نفس احمدیت کے نشے میں سرشار تھا۔ نماز، روزہ اور ذکر قرآن و حدیث ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

اکثر موسم سرما میں رات کے کھانے سے فارغ ہو کر تندور کے بجھتے ہوئے انگاروں کی تپش سے حرارت حاصل کرنے کے لئے آپ کے والد اور چچا تندور کے پاس بیٹھ جاتے تو آپ ضرور ساتھ ہوتے اور کافی دیر تک مجلس رہتی۔ دین، قرآن اور اشاعت دین کی باتیں ہوتیں۔ رسول اکرم محمد صلعم کا ذکر ہوتا اور مسیح موعود کی باتیں ہوتیں۔ اس طرح گھر سے باہر قدم رکھنے سے پہلے ہی آپ دین اسلام اور احمدیت کی محبت سے سرشار تھے۔ علم و حکمت، ذہانت، عقل و دانش اور فہم قرآن باپ سے وراثت میں پایا تو صبر و تحمل، بردباری اور کشادہ دلی ماں سے ورثے میں ملی۔ طہارت و تقویٰ، زہد و عبادت کے ساتھ ساتھ خوش طبعی، صلہ رحمی، انکساری اور انسان دوستی اپنے چچا سے حاصل کی۔

کم عمری ہی میں مولوی حیات اللہ نامی ایک بزرگ آپ کو قرآن پڑھانے پر مقرر ہوئے اور انہوں نے نہایت توجہ بلکہ بہت سخت گیری سے قرآن کی تعلیم دی۔ ان کی سخت گیری کا ذکر آپ اکثر فرماتے تھے۔ قرآن کی تعلیم مکمل ہوئی تو آپ کو داتا نامی گاؤں کے سکول میں داخل کر دیا گیا جہاں جماعت سے وابستہ سید خاندان کے بزرگان آپ کے سرپرست تھے۔ ایک دفعہ ہفتہ کی تعطیل گذرانے گاؤں آئے اور اگلے دن سکول واپس جانے سے انکار کر دیا۔ ماں اور بہن نے پیار سے دلار سے سمجھایا مگر بیکار۔ باپ اور چچا گھر سے باہر گئے ہوئے تھے، ماں جانتی تھی کہ اگر اس وقت نرمی دکھائی تو پھر تعلیم رہ جائے گی۔ خود تو سختی کر نہ سکتی تھی مولوی حیات اللہ صاحب کو بلوا بھیجا۔ مولوی صاحب آئے اور ملازم سے خاردار بیری کی جھاڑیاں منگوا کر زمین پر بچھا دیں اور ننھے سعید احمد کو اوپر لٹا کر دھمکی دی کہ آگ لگا دیں گے۔ اتنی سخت سزا اور ماں نے اف تک نہ کی۔ آپ بتاتے تھے کہ عرصہ تک پیٹھ پر کانٹوں کے نشان رہے۔

سات سال کی عمر میں آپ والد اور چچا کے ہمراہ قادیان گئے حضرت مسیح موعود کی زیارت نصیب ہوئی اور کئی ماہ آپ کی صحبت میں رہے۔ والد نے سمجھایا کہ "دیکھو ہم یہاں حضرت صاحب کی صحبت سے فیض پانے کے لئے آئے ہیں کھیل کود میں وقت ضائع نہ کرنا۔" باپ کی نصیحت اس سعید روح میں اتر گئی اور جب ہم عمر لڑکے کھیلنے کے لئے بلاتے تو فوراً کہہ دیتے "ہم یہاں کھیلنے کے لئے نہیں آئے۔ حضرت صاحب کے لئے آئے ہیں" حضرت مسیح موعود کے آنے سے پہلے ہی مسجد مبارک کی کھڑکی کے پاس بیٹھ جاتے۔ نگاہیں کھڑکی پر ہوتیں۔ حضرت صاحب کی جھلک نظر آتے ہی اٹھ کھڑے ہوتے۔

آپ مسجد میں قدم رکھتے تو آگے بڑھ کر آپ کے لباس کا کوئی حصہ تھام لیتے اور محراب تک ساتھ ساتھ چلتے اور قریب بیٹھ جاتے۔ اکثر پاؤں دبانے لگتے ہر بیعت کرنے والے کے ساتھ اپنا چھوٹا سا ہاتھ بڑھا کر بیعت میں شامل ہو جاتے۔ ایک دن والد صاحب نے ایک روپیہ ہاتھ میں تھمایا کہ حضرت صاحب کے ہاتھ میں دینا۔ حضرت صاحب متوجہ ہوئے اور پوچھا "یہ بچہ کون ہے" آپ کے والد نے فرمایا "حضور کا غلام زادہ ہے' آپ نے ہی سعید احمد نام رکھا ہے۔ اس کے لئے دعا فرمائیں" آپ "غلام زادہ" کا مطلب سمجھ نہ پائے بعد میں والد صاحب نے ایسا سمجھایا کہ تمام زندگی کے لئے ذہن نشین ہو گیا۔ بس انہی ملاقاتوں میں مسیح وقت کی نگاہ سحر انگیز نے ایسا مسحور کیا کہ تاحیات اس غلامی کو باعث فخر جانا۔ اس برس آپ کا قیام قادیان میں خاصا لمبا رہا۔ جب بھی حکیم محمد یحیٰی صاحب نے زبانی یا تحریری طور پر واپسی کی رخصت چاہی اور کوئی عذر پیش کیا۔ حضرت صاحب نے مزید رکنے کو کہا اور آپ نے سر بتسلیم خم کر دیا۔ اس طرح آپ اس روح پرور ماحول اور فیوض کے آب رواں سے جو حضرت صاحب کی ذات سے جاری تھا خوب سیراب ہوئے۔

حضرت امیر مرحوم اور ان کے بزرگان کے ہمراہ اس سال جلسہ پر ایک خاتون بھی گاؤں سے آئی تھیں۔ ان کا قیام حضور کے گھر میں تھا۔ اکثر والد صاحب آپ (حضرت امیر) کو حضرت صاحب کے گھر کے اندر اس خاتون کی خبرگیری کے لئے بھیجتے۔ ایک دن آپ اندر گئے تو حضرت مسیح موعود اپنے اہل خانہ کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ آپ کو بلا کر کھانے میں ساتھ شامل کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "ان چاولوں کی لذت جو حضرت صاحب کے گھر کھائے تھے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ ایسے خوش ذائقہ اور خوشبودار' باریک چاول میں نے نہ کبھی اس سے پہلے کھائے تھے اور نہ کبھی بعد میں" اور یہ ممکن بھی نہ تھا کیونکہ اس کے بعد تو حضرت صاحب کا دیدار کبھی نہ ہو سکا اور ان کے بابرکت ہاتھ سے دیئے ہوئے کھانے میں جو لذت تھی وہ تو ان کی روحانی کشش اور توجہ کی وجہ سے تھی۔

چوتھی جماعت میں ہوئے تو آپ کو مانسہرہ کے سکول میں داخل کر دیا گیا مگر بورڈنگ کی فضا کو آپ کے لئے نامناسب تصور کرتے ہوئے ایک ہندو دوست سائیں داس نامی کے گھر رہائش کا انتظام کیا۔ انہوں نے آپ کی رہائش کے لئے لکڑی کے تختوں سے بنا ہوا ایک کمرہ نما گودام دیا جو عام طور پر دیہاتوں میں غلہ رکھنے کے کام آتا ہے اور اسے "تونزی" یا "کٹھالی" کہتے ہیں۔ اس میں دن کے وقت بھی دیا جلانا پڑتا۔ سکول سے آکر آپ اس کی کھڑکی سے اندر چلے جاتے اور پڑھائی میں مصروف ہو جاتے۔ گھر کی کوئی خاتون کھڑکی سے ان کے برتنوں میں کھانا ڈال دیتی اسی پر صبر و شکر کر لیتے۔ کبھی حرف شکایت زبان پر نہیں آیا کہ اپنے گھر کے کشادہ صحنوں اور کھلے کھلیانوں کی فضا میرے نصیب میں کیوں نہیں۔

گاؤں میں گھر سے باہر ہی زرعی اراضی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مکئی کی فصل کٹ چکی تھی' کھیتوں میں سوکھے ڈنٹھل (ٹانڈے) کھڑے تھے۔ اچانک گر پڑے اور سوکھا ڈنٹھل نازک پنڈلی کو چیر کر اندر ٹوٹ گیا۔ صبر کی انتہا کہ اسی طرح گھر آئے۔ ماں نے "پلٹس" بنا کر باندھی۔ والد سے بھی جو کچھ بن پڑا کیا مگر پورا ایک ماہ بستر پر کاٹنا پڑا۔ تب جا کر وہ زخم بھرا۔ یہ ماہ بہت صبر آزما تھا۔ اس کی تکلیف آپ کبھی نہیں بھولے۔ فرمایا کرتے تھے "جب میں اپنے اوپر خدا کے انعامات کو یاد کرنے لگتا ہوں تو اس وقت کی اپنی عاجزی اور بے بسی یاد آتی ہے اور خدا کے آگے سر جھک جاتا ہے کہ خدایا تیرے کتنے انعامات مجھ عاجز پر ہیں کہ آج خود بڑے بڑے آپریشن کرتا ہوں اور دوسروں کو آرام پہنچاتا ہوں یا وہ بیچارگی تھی کہ اپنے زخم کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس زخم کا ہلکا نشان ہمیشہ پنڈلی پر رہا۔

اپنے والد کی نسبت حضرت امیر اپنے چچا محترم جنہیں وہ "کاکاجی" کہتے تھے' سے زیادہ مانوس تھے اور چچا محترم کی شخصیت نے آپ کو بہت متاثر کیا۔ آپ کی تربیت میں ان کا بہت ہاتھ تھا۔ ایک مرتبہ آپ کے چچا محترم مانسہرہ سے گاؤں آرہے تھے اور روزے سے تھے۔ راستے میں افطار کا وقت ہو گیا۔ آپ نے ایک پودے سے کھٹے پتے توڑ کر منہ میں ڈال لئے۔ گھر آکر پوچھنے پر یہ بتایا اور بعد میں پوٹلی سے مٹھائی نکال کر بھتیجے کو دی۔ بھائی نے پوچھا کہ "مٹھائی تھی تو پتوں سے کیوں روزہ افطار کیا؟" تو فرمانے لگے "یہ تو سعید احمد کی امانت تھی سائیں داس بزاز نے اس کے لئے بھیجی ہے"۔ حالانکہ یہ تو یونہی کہہ دیا جاتا یہ ہے کہ "بچے کے لئے مٹھائی ہے"۔ اس بات کا حضرت امیر پر بہت گہرا اثر ہوا۔

ایک مرتبہ حضرت امیر موسم گرما کی تعطیلات میں گھر میں بیٹھے اسکول کا کام کر رہے تھے کہ چچا محترم تشریف لائے۔ دیکھا کہ بھتیجے کے پاس مٹھی بھر نب ہیں۔ جو کسی صورت انہوں نے خریدے نہیں۔ پوچھنے پر بتایا کہ فلاں ہم جماعت نے سب کو دیئے ہیں' مزید استفسار پر پتہ چلا کہ اس نے کتب فروش کی دکان سے پورا ڈبہ اٹھایا تھا۔ چچا نے بھتیجے کا ہاتھ تھاما اور تپتی دوپہر میں چھ میل دور داتا گاؤں کی طرف لے کر چل پڑے اور سمجھایا کہ چوری کے نبوں سے جو بھی لکھو گے اس کا حرام تمہاری کمائی میں شامل ہوتا رہے گا۔ نہایت شفیق اور چاہنے والا

چچا کی تربیت رائیگاں نہ گئی۔ اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیانت اور تقویٰ کی باریک راہوں کی پہچان کروا گئی۔

قادیان کی ایک جھلک جو حضرت صاحب کے زمانے میں دیکھی تھی۔ تبھی سے اس ماحول کی جاذبیت آپ کو اپنی طرف کھینچتی رہتی تھی۔ ایک اور موقعہ حضرت مولانا نورالدین صاحب کے دور میں جلسہ سالانہ پر جانا نصیب ہوا تو وہیں بس رہنے کی تمنا دل میں پیدا ہوئی۔ یوں بھی مانسہرہ کے سکول کی فضا اور شہر کے بازاری ماحول سے بیزار تھے۔ احمدی ہونے کی وجہ سے بھی ستم توڑے جاتے تھے۔ مگر پھر بھی اپنی کتابوں پر اپنے نام کے ساتھ احمدی ضرور لکھتے تھے۔ مگر اس ماحول کی آلودگی سے فرار چاہتے تھے۔ والد صاحب سے عرض کی مگر وہ راضی نہ ہوئے گاؤں سے فاصلہ بہت تھا۔ والدہ کے لئے بھی جدائی صبر آزما ہوتی مگر آپ نے پختہ ارادہ کر لیا تھا کہ اب اگر پڑھنا ہو گا تو قادیان میں ہی پڑھیں گے۔ والد محترم ماہ رمضان گذارنے قادیان گئے تو اگلے ہی دن گھر میں بغیر اطلاع دیئے کتابوں کا بستہ اٹھا آپ بھی عازم سفر ہوئے۔ جیب میں چند روپے تھے جس سے بٹالہ تک کا ٹکٹ لے لیا اور ایک وقت کا کھانا کھایا۔ اس کے بعد جیب خالی تھی۔ ایک سکھ ہم سفر تھا اس کے کپڑے چھینٹے پڑنے سے خراب ہو گئے ایک سٹیشن پر اس نے آپ کو ایک اکنی دی کہ صابن لا دو اور جو ایک پیسہ بچا آپ کو ہی دے دیا۔ صبح سویرے بٹالہ کے سٹیشن پر اترے اور قادیان کی طرف چل پڑے۔ ایک پیسے کے مٹھی بھر میٹھے چنے لے کر جیب میں ڈال لئے اور دانہ دانہ کر کے کھاتے رہے۔ اس طرح جب بارہ میل کی پیدل مسافت طے کر کے قادیان پہنچے تو سفر اور بھوک سے نڈھال تھے۔ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک دکاندار نے پہچان لیا کہ یہ تو مولوی صاحب کا بیٹا ہے۔ وہ ایک دن پہلے آئے ہیں اور یہ آج؟ بہرحال چہرے پر ہوائیاں اڑتی دیکھ کر پاس بلایا۔ گرم گرم دودھ جلیبیاں کھلائیں اور حضرت صاحب کے مہمان خانے تک لے گیا۔ والد صاحب سخت ناراض تھے۔ مہینہ بھر بات نہ کی مگر خورد و نوش کا خیال رکھتے رہے۔ ادھر آپ جس ارادے سے آئے تھے اس کی تکمیل میں لگ گئے۔ سکول کی تو چھٹیاں تھیں۔ مگر ایک نو مسلم طلب علم جس کا نام عبدالرحمان تھا وہ وہیں ہوسٹل میں رہتا تھا۔ اس سے پوچھ پاچھ اپنی پڑھائی شروع کر دی اور اتنا پڑھ لیا کہ ہم جماعتوں کے ساتھ چل سکیں۔ والد صاحب نے واپسی کا ارادہ کیا تو آپ کو بلایا اور نرمی سے سمجھایا کہ "گھر سے بہت دور ہو جاؤ گے' تمہاری والدہ اتنی لمبی جدائی کیسے برداشت کرے گی۔ بیمار پڑ جائے گی۔" مگر آپ نے قادیان کے صاف ستھرے ماحول اور فضا کو چھوڑ کر دوبارہ مانسہرہ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ والد صاحب نے بورڈنگ میں داخل کروا دیا اور کہا کہ گھر جا کر ضروری سامان بھجوا دیں گے۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب اس وقت سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے جو نہایت شفیق اور بہت اعلیٰ منتظم تھے۔ سکول کا تعلیمی معیار بہت اعلیٰ تھا۔ جلد ہی آپ اس ماحول میں گھل مل گئے اور اچھے طالب علموں میں شمار ہونے لگا۔ بعد میں جب ایبٹ آباد کے سکول میں داخل ہوئے تو ایک انگریز افسر نے معائینے کے دوران آپ سے انگریزی میں جو سوال کئے ان کے جواب سن کر ہیڈ ماسٹر سے پوچھا کہ اس طالب علم نے انگریزی کا اتنا اچھا تلفظ کہاں سے سیکھا ہے۔ حضرت امیر فرمایا کرتے تھے کہ یہ تو ان کے تعلیم کے اس دور کا انعام ہے جو انہوں نے قادیان میں گذارا۔

گھر کی تعلیم و تربیت کے بعد قادیان کی تعلیم اور حضرت مولانا نورالدین صاحب کے درس قرآن نے آپ کی فطری صلاحیتوں کو جلا بخشی۔ قرآن سے عشق سا ہو گیا۔ خوش الحانی سے قرآن تو پہلے بھی پڑھتے تھے اب ایک اور نیا رنگ اور سوز پیدا ہو گیا۔ موسم گرما کی تعطیلات میں گھر آئے تو شخصیت میں ایک وقار کی جھلک سب نے محسوس کی۔ نمازوں کی امامت تو پہلے بھی کبھی کبھار کرتے رہے تھے اور خطابت تو اس چھوٹی عمر میں بھی کی تھی جب قرآنی آیت میں لفظ "نارا" کو "ناڑا" بولتے تھے اور گاؤں کی مسجد کے چھوٹے چھوٹے جلسوں میں در ثمین کی نظمیں ترنم سے پڑھتے تھے۔ مگر اب تو جمعہ کا خطبہ اور امامت بھی آپ کے سپرد ہو گئی۔

یوں امامت و خطابت کا وہ دور جس کی ابتدا دیب گراں کی چھوٹی سی مسجد سے ہوئی دارالسلام کی وسیع و عریض جامع میں تکمیل کو پہنچا جہاں آپ نے ۲۶ مئی ۱۹۹۶ء کو یوم وصال مسیح موعود کے موقع پر مجدد صد چہار دہم کی جماعت سے آخری بار خطاب فرمایا

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

ہمارے محترم اور پیارے حضرت امیر مرحوم

سارہ احمد

دنیا میں بہت کم ایسی ہستیاں ہوتی ہیں جو اپنی زندگی کسی خاص مقصد کے لئے وقف کر دیتی ہیں۔ جن کی ذات میں کوئی عیب تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ جن کی شخصیت دوسرے کو متاثر کرنے کی بے پناہ طاقت رکھتی ہے اور جن کا پیار اور دعائیں سب کے لئے ہوتی ہیں۔ ہمارے نہایت ہی محترم حضرت امیر مرحوم و مغفور ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ایسی ہستی تھے۔

میں ان کے بارے میں اپنے چند تاثرات اور یادیں پیش کرنا چاہتی ہوں۔

یہ کہنا درست ہو گا کہ حضرت امیر سے میرا تعلق روحانی تھا۔ کیونکہ دارالسلام میں رہنے کے باوجود ہم ان سے ملاقات کے لئے سال میں دو یا تین دفعہ سے زیادہ نہ جاتے تھے۔ اس میں کچھ ہماری کوتاہی کا دخل تھا اور کچھ یہ خیال تھا کہ ہم حضرت امیر کے آرام میں خلل نہ ڈالیں۔ مگر دل کو ہر وقت یہ تسلی رہتی تھی کہ حضرت امیر موجود ہیں اور ہمارا جب جی چاہے ان سے جا کر مل سکتے ہیں۔ میں دراصل یہ بتانا چاہتی ہوں کہ حضرت امیر کی روحانیت اس قدر تھی کہ وہ اپنے دور دور تک لوگوں کی زندگیوں پر اثرانداز ہوتی تھی۔

جب کبھی حضرت امیر مسجد میں تشریف لاتے تو سب انہیں دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتے۔ عام حالات میں تو مردوں کی طرف جھانکنا مناسب نہیں ہوتا مگر حضرت امیر کو دیکھنے کے لئے بہت سی عورتیں اور بچیاں پردے میں سے جھانکتیں۔ پھر جب آپ جانے سے پہلے عورتوں کی طرف آتے تو ان سے ہاتھ ملا کر دل ایمان اور خوشی سے لبریز ہو جاتا۔ آپ ہاتھ بڑی مضبوطی سے پکڑ کر ملاتے تھے اور آپ کے چہرے سے صاف پتہ چلتا تھا کہ آپ کو اپنی جماعت کے ایک ایک فرد سے کتنی محبت تھی۔ دارالسلام میں آپ کے وجود سے بہت رونق تھی۔ رات کو جب میں اپنی امی اور بہن کے ساتھ سیر کر رہی ہوتی تو حضرت امیر کی روشن کھڑکی کو دیکھ کر لگتا تھا کہ ہم آپ کے قریب ہیں۔ کئی ایک دفعہ میں اور میری بہن جان بوجھ کر اس وقت دارالسلام جاتے جس وقت حضرت امیر سیر کر رہے ہوتے تھے تا کہ ان سے مل لیں۔ آپ کی تلاوت میں بہت سوز تھا اور کمزور آواز میں تقریر کا حیرت انگیز اثر تھا۔ جب آپ سالانہ دعائیہ کے موقعہ پر دعا کرواتے تو آپ اصرار کرتے تھے کہ سب بلند آواز میں آمین کہیں۔ یوں دعا میں بہت درد پیدا ہو جاتا تھا اور ہر کوئی ایسے دعا کرتا جیسے واقعی خدا کے حضور حاضر ہیں۔

میرے خاندان کو احمدیت کی طرف لانے میں بھی حضرت امیر کا بہت ہاتھ ہے۔ میرے دادا مرحوم چودھری فضل داد صاحب تو بہت پرجوش احمدی تھے مگر انگلینڈ میں میرے والدین کا وہاں کی جماعت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ پھر حافظ شیر محمد صاحب مرحوم اور حضرت امیر مرحوم نے ہمارے گھر آ کر انہیں جماعت میں شامل ہونے پر زور دیا۔ اس کے بعد بھی جب حضرت امیر انگلینڈ آتے وہ ہمارے گھر ضرور آتے۔ یہ ایک چھوٹی سی مثال ہے۔ حضرت امیر نے اپنے بیرونی ممالک کے دوروں میں نہ جانے کتنے لوگوں کے گھروں میں جا کر ان میں احمدیت کی نئی روح پھونکی ہو گی۔

جب بھی حضرت امیر سے ملاقات ہوتی تو بعد میں کئی دنوں تک آپ کا نورانی چہرہ میری آنکھوں کے سامنے رہتا اور دین کے لئے نیا جوش و جذبہ پیدا ہوتا۔ ایک شام کو آنٹی صفیہ نے مسجد میں مجھے اور میری بہن کو بتایا کہ حضرت امیر ہم سے ملنا چاہتے ہیں کیونکہ انہیں پتہ چلا تھا کہ ہم ترجمہ کا کام کر رہی ہیں۔ ہم دونوں مغرب کی نماز سے کچھ دیر پہلے گئیں تو حضرت امیر بھی شاید نماز کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ آپ نے سفید کپڑے اور سفید ٹوپی پہنی ہوئی تھی اور چہرے سے نور برس رہا تھا۔ ہمیں نہایت ہی محبت سے ملے۔ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بستر پر ہی بٹھا لیا اور دیر تک میرا ہاتھ پکڑے رکھا۔ آپ نے ہم سے پوچھا کہ ہم کن کلاسوں میں پڑھتی ہیں۔ جب میری بہن نے بتایا کہ وہ میڈیکل کالج میں ہیں تو مسکرا کر نہایت شفقت سے فرمایا۔ "پھر تو آپ ہماری برادری کی ہیں۔" اس کے بعد نماز کا وقت ہو گیا اور ہمیں جلد ہی اٹھنا پڑا۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ ہماری حضرت امیر سے آخری ملاقات ہو گی۔

میری ایک سہیلی جس کا تعلق ربوہ جماعت سے ہے، اپنے خلیفہ صاحب کو "حضور" کہتی ہے۔ حضرت امیر سے ہماری محبت نے ہمیں انفارمل کر دیا ہے اس لئے ہمارے حضرت امیر جماعت کے کثیر حصے کے لئے "جان جی" تھے۔

ہم اپنے پیارے جان جی کو ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ ان کی کمی کو پورا کرنا بہت مشکل ہے مگر ہماری یہ دعا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمیں ان کے بعد بھی حضرت مسیح موعود کے مشن پر قائم رکھے اور جس طرح انہوں نے ساری زندگی دین کو دنیا پر مقدم کیا ہمیں بھی ایسا کرنے کی توفیق اور ہمت عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مسیح موعود کی صداقت کا مظہر

فخرالدین احمد

فروغ شمع محفل تو رہے گا روز محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جاتی ہے

"اور وہ (لوگ) جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں ہمارے رب! ہماری مغفرت فرما اور ہمارے بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے لئے جو ایمان لائے حسد نہ پیدا ہونے دے۔ اے ہمارے رب تو مہربان رحم کرنے والا ہے" (الحشر ۱۰:۵۹)۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان جنہوں نے ۹۶ برس کی عمر میں ۱۵ر نومبر ۱۹۹۶ء کی رات وفات پائی۔ ۹ر اکتوبر ۱۹۰۰ء میں مانسہرہ کے ایک گاؤں **دیبگران** میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان سارے علاقے میں زہد و ورع، پاکبازی، خدا ترسی اور ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے مشہور تھا۔ ہندو کہا کرتے تھے کہ اس گاؤں کا نام دیوگراں تھا جس کے معنی ہیں دیوتا سروپ لوگوں کی بستی۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے اس معمورہ میں دو فرشتوں کو دیکھ لیا ہے۔ ان کی مراد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور ان کے بھائی حکیم محمد یعقوب صاحب سے تھی۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان کے والد بزرگوار مولانا محمد یحییٰ صوبہ سرحد کے نامور طبیب، عالم دین اور ولی اللہ تھے ان کے والد ماجد محمد سعید اپنے علم دین اور تقویٰ کی وجہ سے کافی شہرت رکھتے تھے۔ وہ حضرت سید امیرالمعروف ملاں صاحب کوٹھہ والے کے مرید باصفا اور خلیفہ تھے۔ یہ ملاں صاحب وہی بزرگ ہیں جنہوں نے ۱۸۹۲ء میں پیشگوئی کی تھی کہ امام مہدی پیدا ہو چکا ہے اور عنقریب ظاہر ہو گا۔ اس کا ذکر حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے اپنی کتاب "تحفہ گولڑویہ" میں بھی کیا ہے۔ مولانا محمد سعید صاحب، صاحب خوارق و کرامات تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے بیٹے حکیم محمد یحییٰ سے فرمایا کہ "جب اپنی مہر بنواؤ۔ (اس زمانے میں علماء اور فضلاء مہریں بنوایا کرتے تھے جو اپنی تحریروں اور فتاویٰ کے آخر میں ثبت کر دیا کرتے تھے) تو اس کے نگینہ میں **یایحییٰ خذالکتاب بقوۃ** کے قرآنی الفاظ کندہ کروانا"۔ اپنی وفات سے ایک روز قبل اپنے نوجوان بیٹوں کو وصیت کی:

"میں نے تمہارے حق میں بہت دعائیں کی ہیں۔ مجھے امید ہے اللہ تمہیں ضائع نہیں کرے گا۔ قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہنا (**خذالکتب بقوۃ۔ ناقل**) امام برحق کا ظہور ہونے والا ہے۔ تم ان کے پاس دوڑ کر جانا اور دنیا کے لعن و طعن کی ہرگز پرواہ نہ کرنا۔"

اس تلقین کا نتیجہ تھا کہ جب حکیم محمد یحییٰ صاحب نے حضرت امام الزمان کی کتاب "آئینہ کمالات اسلام" کو پڑھا تو بلا حیل و حجت حضرت اقدس کی خدمت میں بیعت کی درخواست بھیجی اور اپنی والدہ کی علالت کا ذکر کر کے لکھا کہ انہیں افاقہ ہونے پر شرف قدم بوسی حاصل کروں گا۔ حضرت اقدس نے جواباً لکھا کہ بیمار والدہ کی خدمت قادیان آنے پر مقدم ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب والدہ ماجدہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کی رحلت پر ۱۸۹۶ء میں قادیان آئے اور دست حق پرست پر بیعت کی۔ اس واقعہ کے ٹھیک ایک سو سال بعد اسی تاریخ پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پندرہ سال جماعت احمدیہ لاہور کی قیادت پوری کرنے کے بعد وفات پائی جس تاریخ کو ان کے پیشرو حضرت مولانا صدرالدین امیر جماعت نے جان جان آفریں کے سپرد کی۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

سال دیگر را کہ می داند حساب
تا کجا رفت آنکہ باما بود یار

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس پیکٹ میں حضرت اقدس مامور ربانی نے حکیم محمد یحییٰ صاحب کو "آئینہ کمالات اسلام" اور **حمامۃ البشری** بھجوائی تھیں اس کے باہر اپنے قلم سے **یا یحیی خذ الکتاب بقوۃ** کے الفاظ لکھے تھے۔ ان الفاظ سے حکیم صاحب کو اپنے والد بزرگوار کی تلقین یاد آ گئی۔ حکیم صاحب اپنے والد مرحوم کی طرح بڑے عابد اور شب بیدار بزرگ تھے۔ سفر و حضر میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے۔ پندرہ سال کی لگاتار کوشش سے انہیں فرقان حمید حفظ ہو گیا تھا۔ راتوں کھڑے ہو کر اور سجدہ ریزی میں بڑی عجز و الحاح سے دعائیں کرتے۔ راقم کو ان کی زیارت کا شرف نصیب ہوا تھا۔ طبیعت میں انکسار تھا۔ شفقت اور ملائمت ان میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس کا نمونہ میں نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان میں بھی

پایا۔ حکیم محمد یحییٰ صاحب' حضرت صاحب کی زندگی میں آخری بار دسمبر ۱۹۰۷ء میں قادیان گئے تو اپنے بیٹے ڈاکٹر سعید احمد خان کو بھی ساتھ لے گئے اور تین چار ماہ مسلسل قادیان میں رہے۔ اس عرصہ میں باپ بیٹے کو روزانہ حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقعہ ملتا رہا۔ ایک دن حکیم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو ایک روپیہ دیا اور تاکیداً کہا کہ یہ حضرت اقدس کے دست مبارک میں دینا۔ از راہ امتثال امر جب ڈاکٹر صاحب نے یہ نذرانہ پیش کیا تو حضرت اقدس نے بڑی توجہ سے انہیں دیکھا اور استفسار فرمایا کہ یہ بچہ کون ہے؟ حکیم صاحب نے جو پاس ہی کھڑے تھے عرض کیا "حضور کا غلام زادہ ہے" پھر حضرت اقدس نے نام پوچھا تو حکیم صاحب نے عرض کیا کہ نام حضور نے ہی "سعید احمد" رکھا ہے۔ پھر حضرت اقدس نے کچھ دعائیہ کلمات ان کے حق میں فرمائے۔ جو لفظاً و معناً حرف بحرف پورے ہوئے اور یہ فضل و احسان ربی ہے کہ مولانا محمد سعید صاحب کو جہاں امام موعود کا انتظار اور اشتیاق رہا ان کے پوتے' ان کے بیٹوں اور پھر پوتوں میں وہی سعادت جھلکتی رہی۔

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ابتدائی تعلیم والدین کے سایہ عاطفت میں پائی۔ آٹھویں اور نویں جماعت قادیان میں پاس کی۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب امیر دوم اس ادارہ کے ہیڈ ماسٹر تھے اور آپ سے نہایت شفقت کا سلوک رکھتے تھے۔ اس دوران حضرت مولانا نورالدین کی صحبت اور درس قرآن سے مستفید ہوئے جس سے قرآن کا عشق دل میں راسخ ہو گیا۔ کالج کی تعلیم پشاور میں حاصل کی۔ یہاں انہیں حضرت مولانا غلام حسن خان نیازی صاحب کی صحبت میسر آئی۔ طبی تعلیم انہوں نے لاہور میں حاصل کی۔ یہاں بھی انہیں حضرت مولانا محمد علی اور ان کے پاک رفقا میں عہد شباب گذارنے کا موقعہ ملا۔ عہد طفولیت سے ہی ڈاکٹر صاحب کو قرآن سے خاصی محبت تھی۔ طالب علموں کی مجالس اور محافل میں نغمہ سرائی ہوتی تھی مگر ڈاکٹر صاحب تلاوت قرآن کیا کرتے اور اس انداز اور خلوص سے کرتے کہ سننے والوں کے دلوں میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا۔ آپ کی قرات مسحور کن تھی۔ جلسہ سالانہ کے دوران حضرت مولانا محمد علی صاحب اور پھر حضرت مولانا صدرالدین صاحب کے دور امارت میں آپ سے نماز فجر کی امامت کے لئے کہا جاتا تھا۔ دارالسلام میں پنج گانہ نمازوں میں آپ کی باقاعدہ شرکت بڑی بابرکت ہوتی تھی۔ ڈاڈر سینی ٹوریم میں آپ برسوں سپرنٹنڈنٹ رہے۔ وہاں قرآن مجید اور اور حدیث شریف کا درس اور نماز جمعہ زیر علاج مریضوں کے لئے روحانی علاج کا موجب بھی ہوتا۔ مریضوں سے آپ کی شفقت اور ہمدردی کے دوست دشمن سب ہی معترف رہے۔ عوام اور حکام آپ کی بے لوث خدمات کو ہمیشہ قدر کی نگاہوں سے دیکھتے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آپ ممتاز عہدوں پر فائز رہے اور ہمیشہ دیانت' امانت اور فرض شناسی کا نمونہ رہے۔ حکومت وقت نے آپ کو اعزازات سے بھی نوازا مگر حلم و انکسار میں وہ ترقی پہ ترقی کرتے رہے۔ ایک موقعہ پر حکومت پاکستان نے فرمانروائے سعودی عرب کی خواہش پر حضرت ڈاکٹر صاحب کو اس ملک میں بھیجا۔ اس دوران آپ کو حج بیت اللہ کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ اس سے پیشتر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آپ اپنے خرچ پر حج کر چکے تھے اور یوں وہ جماعت احمدیہ لاہور کے دوسرے قائد ہیں جنہوں نے فریضہ حج ادا کیا۔ ان کے والد بزرگوار حکیم محمد یحییٰ خان صاحب نے بھی ۱۹۳۳ء میں حج کا فریضہ ادا کیا تھا۔

۱۹۷۴ء میں جب سرکاری طور پر احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا اور عوام میں ان کے خلاف نفرت اور اشتعال کو بھڑکایا گیا تو ملک کے طول و عرض میں فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے۔ احمدیوں کی مساجد گھروں اور دکانوں پر حملے ہوتے رہے اور انہیں ہر طرح سے ہراساں اور پریشان کیا گیا۔ ایبٹ آباد جہاں موسم گرما میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے تربیتی کورس جاری کیا ہوا تھا جہاں سلسلہ کے نامور ملہم حضرت سید اسد اللہ شاہ لدھیانوی موسم گرما گذارا کرتے تھے مخالفین اور معاندین سلسلہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بن گیا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی کلینک اور گھر کے علاوہ احمدیوں کی دکانیں نظر آتش کر دی گئیں۔ یہاں احمدیوں کا زندہ رہنا ناممکن ہو گیا تو حضرت ڈاکٹر صاحب نے اپنے ساتھیوں کو ہجرت کرنے کا مشورہ دیا۔ اس ارشاد کی تعمیل میں احباب سلسلہ نے اپنے آبائی گھروں کو خیرباد کہا اور شہر سے باہر ایک مقام پر پناہ گزیں ہوئے۔ ماسٹر اصغر علی سیال مرحوم نے مجھے بتایا کہ جب ہم اپنے اہل و عیال کو لے کر گھروں سے نکلے تو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان نے مجھے حکم دیا کہ اس قافلہ کی فہرست تیار کر لی جائے۔ میں نے جب فہرست مکمل کی تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد ۷۲ (بہتر) تھی۔

۱۹۷۴ء میں حضرت ڈاکٹر صاحب مستقل طور پر دارالسلام' لاہور میں آ گئے۔ احمدیہ انجمن' لاہور کے نائب صدر کی حیثیت سے انہوں نے گراں قدر خدمات دینیہ سرانجام دیں۔ دارالسلام میں آپ کی تشریف آوری سے رونق شروع ہو گئی۔ جامع احمدیہ میں باجماعت نمازوں' درس قرآن کریم اور ملفوظات بانی سلسلہ احمدیہ میں شرکاء کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ بچوں کو قرآن کریم اور ابتدائی دینی تعلیم کے لئے مرحوم راجہ محمد افضل اور ان کی بیگم محترمہ مصروف عمل رہیں۔ شبان الاحمدیہ کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ تراجم قرآن کے پروگرام کی طرف توجہ بڑھ گئی۔ اپنے پیشرو حضرت مولانا صدرالدین صاحب مرحوم کی طرح حضرت ڈاکٹر صاحب نے بھی بیرون ملک جماعتوں کا دورہ کیا۔ جنرل عبداللہ سعید مرحوم اور ان کی بیگم مرحومہ

کی کوششوں اور میاں نصیر احمد فاروقی مرحوم کی ذاتی دلچسپی سے قرآن کریم کا ہسپانوی زبان میں ترجمہ مکمل ہو کر اشاعت پذیر ہوا اور ان تینوں کے لئے صدقہ جاریہ ثابت ہوا۔

مجھے پانچ چھ سال حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم کے قریب اور ان کے ساتھ مرکز میں کام کرنے کا موقعہ ملا۔ مولانا محمد یحییٰ صاحب اور میرے والد بزرگوار میں دیرینہ تعلقات اخوت تھے۔ مولانا مرحوم جب بھی راولپنڈی آتے یا لاہور جا رہے ہوتے تو ہمارے گھر ضرور آتے۔ ان تعلقات کو حضرت ڈاکٹر صاحب نے زندہ رکھا اور اپنی خاندانی روایات کو فروغ دیا۔ میں دارالسلام میں آیا تو اپنے پڑوس میں میری رہائش کا انتظام کیا۔ بارہا میرے گھر تشریف لاتے اور دینی امور کے بارے میں پند و نصائح فرمایا کرتے۔ میری ناچیز خدمت پر خوش ہوتے اور قدر کرتے۔ جماعت کے واعظین کی کارگذاری کی رپورٹوں پر انہیں مفید مشورے دیتے۔ احباب جماعت کے خطوط کا جواب التزام سے دیتے اور دعا کی درخواست بھیجنے والوں کو تسکین اور محبت آمیز خط اپنے قلم سے لکھتے۔ ان کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ اس میں ربوہ کے اصحاب بھی شامل تھے۔ وہ بھی آپ سے نیازمندانہ تعلقات رکھتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کو قرآن مجید سے بڑی محبت تھی۔ اس کا ثبوت آپ کی قرآن خوانی سے ہوتا ہے۔ قرآن کی تلاوت کرتے تو حاضرین پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آپ کے فارغ اوقات کلام پاک یزدان کے مطالعہ اور اس پر غور میں صرف ہوتے۔ قرآن کریم پورا تو شاید نہ ہو مگر ایک تہائی سے زیادہ آپ نے حفظ کر لیا تھا۔ زندگی کے آخری ایام میں حافظ قاضی عبدالاحد صاحب امام الصلوۃ جامع دارالسلام انہیں نماز عصر کے بعد وہ آیات روزانہ سنانے جاتے تھے جو اگلی صبح کی نماز میں پڑھی جاتی ہوتیں۔

مرحوم کی سوانح میں یہ پہلو نمایاں ہے کہ آپ نے زندگی بھر دس شرائط بیعت پر عمل کر کے دکھایا۔ رنج و راحت عسر اور یسر نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ و تبارک کی قضاء پر رضا اور کمال وفاداری کا نمونہ دکھایا۔ اپنے خوش خصال بیٹے جنرل عبداللہ سعید اور ان کی نیکوکار بیگم۔ اپنے دامادوں، اپنی بیگمات کی وفات پر صبر و استقامت دکھلائی۔ اپنے عم زاد ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب، پروفیسر ڈاکٹر نظیر الاسلام صاحب، پروفیسر خلیل الرحمان صاحب، محترم محمد انور صاحب مبلغ انگلستان، ماسٹر اصغر علی صاحب، حافظ شیر محمد خوشابی صاحب، الحاج شیخ محمد طفیل صاحب مبلغ انگلستان و ہالینڈ، بریگیڈیئر عبداللطیف شہید، الحاج میاں نصیر احمد فاروقی روشن ستارے تھے جو ڈوب گئے اور جماعت کے لئے سانحہ عظیم ہوئے۔ ان کی مفارقت کا حضرت ڈاکٹر صاحب کو بڑا صدمہ ہوا مگر دامن صبر ان کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پایا۔ ۱۹۸۴ء میں ضیائی قانون کا نفاذ ناقابل برداشت تھا مگر ہمارے قائد کی استقامت میں فرق نہ آیا۔ انہوں نے جماعت کو تلقین کی کہ جہاں تک ممکن ہو اس ملکی قانون کی پابندی کریں۔ البتہ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں میں زیادہ مستعد ہو جائیں کیونکہ ہمارے امام ہمام نے ہمیں یہی وصیت کی تھی۔

اندریں وقت مصیبت چارۂ مابیکساں
جز دعائے بامداد و گریہ اسحار نیست

حضرت ڈاکٹر صاحب مرحوم میں بڑی وسعت قلبی تھی۔ چند ایک اصحاب اپنے خطوط میں ناملائم اور درشت الفاظ لکھنے سے گریز نہ کرتے اور ان کی دلآزاری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے۔ مگر آپ ہمیشہ بردباری اور درگزر سے کام لیتے اور حسن سلوک برقرار رکھتے۔ ان سے ملاقات ہوتی تو کوئی حرف شکایت نوک زباں پر نہ لاتے۔

بچوں سے بڑی محبت اور شفقت کا برتاؤ کرتے۔ دارالسلام کے بچے جو کھیل میں مگن ہوتے۔ حضرت امیر کو راستے میں دیکھتے تو دوڑ کر ان کے پاس جاتے اور مصافحہ کرنے میں سبقت کی کوشش کرتے۔ ان کے محبوب قائد مسکراتے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے اور دعائیں دیتے۔

جماعت کے امور کی سرانجام دہی میں بڑی دلچسپی لیتے۔ مجالس کی صدارت کرتے تو مجلس باوقار ہو جاتی۔ ہر ایک رکن کو اظہار خیال کا موقعہ دیتے اور پھر مجلس کی کثرت رائے کا احترام کرتے۔ اپنی پسند مسلط کرنے کی کبھی کوشش نہ کرتے۔ انجمن کے آئین کی پاسداری اور انجمن کے قواعد اور فیصلوں کا احترام کرتے۔ ۱۹۸۴ء میں ملکی قانون نے جب مشکلات اور مصائب کا دروازہ کھول دیا تو آپ نے درمے سخنے، قدمے، قولے، جماعت کو سنبھالا دیا۔ آپ کے صدق و صفا، زہد و ورع، ایثار اور جرات ایمانی حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے اس ارشاد کی صداقت کا مظہر ہیں کہ

"میں خدا کی مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔"

یہ خداوند کریم کا فضل اور لطف و کرم ہے کہ ہمیں ایسے قائد ملتے رہے جو خدا کی قدرت کا مظہر تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان برگزیدہ نفوس کی معیت کی توفیق عطا فرمائے۔ قادر و توانا خدا کا ہر وعدہ برحق ہے اور یہ آسمانی، روحانی اور ربانی سلسلہ قائم رہے گا اور خدائے برتر و توانا کا وعدہ جو اس نے اپنے مامور سے ان الفاظ میں آج سے سو سال پہلے کیا تھا۔

"میں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔"

ہمیشہ ایفا ہوتا رہے گا۔ ۱۵ نومبر ۱۹۰۶ء کو الہام بھی ہوا تھا "تیری دعا قبول کی گئی۔"

ایک مجاہد اور عاشق قرآن کا ذکر

راجہ محمد بیدار

کل من علیھا فان و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

۱۵، ۱۶ نومبر کی درمیانی رات کو جماعت احمدیہ، لاہور کے امیر جماعت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ساڑھے گیارہ بجے بروز جمعہ اس دار فانی سے انتقال فرما گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

آپ ضلع مانسہرہ کے ایک مشہور و معروف مذہبی اور علمی خاندان میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کو آٹھ سال کی عمر میں اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کے ہمراہ قادیان میں مجدد وقت حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شمولیت کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ میں بچہ تھا جب لوگ حضرت مرزا صاحب سے بیعت لیتے تو میں بھی آپ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتا۔ اس طرح آپ نے حضرت امام الزمان کے مبارک ہاتھ میں بارہا اپنا ہاتھ دیا اور بارہا بیعت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ آپ دسمبر ۱۹۰۷ء سے مارچ ۱۹۰۸ء تک حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں قادیان میں رہے اور آپ نے ۱۹۱۳ء ۱۴ میں آٹھویں اور نویں جماعت کی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔

۱۹۱۴ء میں جماعت میں اختلاف کی بناء پر وہاں کے ماحول سے بیزار ہو کر قادیان سے سے واپس گھر آ گئے۔ ان کے والد اور چچا نے جماعت لاہور میں شمولیت اختیار فرمائی۔ اور اس طرح آپ جماعت لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء میں آپ نے ایم بی بی ایس کا امتحان پاس کیا۔ لاہور میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران آپ کو حضرت مولانا محمد علی رحمتہ اللہ علیہ کے قرآن کریم کے درسوں میں باقاعدہ شامل رہنے کی وجہ سے انہیں قریب سے دیکھنے اور روحانی فیض حاصل کرنے کے بڑے قیمتی مواقع میسر آئے۔ جن کا اثر آخر تک ان کی شخصیت میں نمایاں نظر آتا رہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآنی نور عطا فرمایا تھا کہ جس مقام پر بھی رہے وہاں پنج وقتہ نماز اور درس قرآن لازمی طور پر ہوتا رہا۔ درس قرآن تو جماعت احمدیہ کی بڑی خصوصیت رہی ہے اور آپ نے اس خصوصیت کو برقرار رکھا۔ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب علیہ رحمتہ کے درسوں کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ کے درس میں جماعت احمدیہ کے احباب سے کہیں زیادہ دوسرے احباب شامل ہوتے تھے۔

حضرت مولانا صدرالدین رحمتہ اللہ علیہ کی رحلت فرمانے کے بعد جماعت احمدیہ کے امیر ہونے پر آپ نے اس بوجھ کو کمال ہمت اور استقلال کے ساتھ اٹھایا۔

مجھے حضرت ڈاکٹر صاحب کو سب سے پہلے ۱۹۵۰ء میں دیکھنے کا موقعہ ملا۔ مانسہرہ میں آپ نے نماز جمعہ پڑھائی۔ ان کی قرآن کریم کی تلاوت سن کر میں حیران رہ گیا۔ پھر دوسری بار لاہور میں ۱۹۵۲ء میں صبح کی نماز میں سورہ قمر کی تلاوت آپ نے جس پیارے انداز میں فرمائی مجھے تاحیات یاد رہے گی۔

جب خاکسار کو ۱۹۹۳ء میں لاہور بلایا گیا تو ہر روز بعد نماز عصر ہم چار آدمی محترم سردار علی خان صاحب، محترم قاضی عبدالاحد صاحب، محترم عبدالسلام صاحب اور احقر آپ کی خدمت میں بلاناغہ حاضر ہوتے بلکہ قاضی عبدالاحد صاحب سے آئندہ صبح کی نماز فجر میں تلاوت کرنے والی قرآنی آیات سنتے اور بعض دفعہ بڑے پیارے انداز میں بعض آیات کے معنی بیان فرماتے اور آپ نے بڑی شفقت اور محبت سے ان عاجز انسانوں کو چہار درویش کا خطاب عطا فرمایا۔ اس طرح ہمیں آپ کا قرب نصیب ہوا۔ میں جب کبھی بھی چھٹی پر جاتا تو احتراماً خود ان کی خدمت میں کبھی عرض نہیں کر سکا بلکہ انوار صاحب سے کہتا کہ وہ ان سے عرض کریں۔ آپ مجھ سے صرف یہ پوچھتے کہ کب واپس آوں گا لیکن کبھی منع نہیں فرمایا۔ قاضی صاحب کی عدم موجودگی

میں صبح کی نماز کے لئے قرآن کریم مجھ سے بعض اوقات سنتے۔

پریشانی کے عالم میں ہم آپ سے دعا کے لئے عرض کرتے تو ایک سکون ملتا کہ آپ ہمارے لئے دعا فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا اور بیشتر دفعہ ان کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے دلی سکون بخشا۔ الحمدللہ۔ محبت اور شفقت کا یہ عالم تھا کہ بچوں سے لے کر بڑوں تک سب کے لئے آپ شفیق باپ کی طرح تھے۔ ہماری موجودگی میں کئی دفعہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ انہیں ٹافیاں اور چاکلیٹ دیتے جو ان کے لئے ہمیشہ پہلے سے اپنے پاس رکھتے۔

جو بھی آپ سے ملنے آتا وہ مسکراہٹ اور نور آپ کے چہرے پر پاتا۔ گفتگو ایسی پر تاثیر ہوتی تھی کہ سننے والا ہر کوئی متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے لمبی اور معزز زندگی عطا فرمائی۔ وہ لوگ جو ہمیں مسلمان بھی تصور نہیں کرتے انہیں بھی آپ کے قرآن سننے پر یہ کہنا پڑتا تھا کہ "آپ بڑے عمدہ قاری ہیں۔ دل اتنا نرم اور نیکی سے بھرپور تھا کہ اپنے مریضوں کے آپریشن سے پہلے ساری ساری رات اللہ تعالیٰ کے حضور گریہ و زاری میں گذارتے اور خداوند تعالیٰ نے بھی آپ کے دست مبارک میں شفا رکھی تھی اور اللہ تعالیٰ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہر آزمائش کے وقت راضی برضا رہے۔ میں اس بات کا عینی شاہد ہوں کہ باوجود بیماری میں بڑی تکالیف کے بھی کبھی شکوہ شکایت کا لفظ آپ کی زبان سے نہیں سنا۔ جب بھی کسی نے پوچھا "خدا کا شکر ہے" کے الفاظ آپ کی زبان مبارک سے نکلے۔ میں نے ایسا صابر و شاکر شخص اپنی زندگی میں اور کوئی نہیں دیکھا۔

ایبٹ آباد میں بھی عجیب و غریب نظارے میں نے دیکھے۔ لوگ دور سے نماز کے لئے آتے۔ آپ ان کی کھانے اور چائے سے تواضع بھی فرماتے۔ ۱۹۷۴ء کے واقعہ کے بعد اللہ تعالیٰ آپ کو دارالسلام' لاہور لے آیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے پر اپنے نعمتوں کی بارش فرمائی۔ عزت و مرتبہ' نیک سیرت اولاد' جماعت احمدیہ جیسی عظیم جماعت کی سربراہی' آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک لمبی عمر عطا فرمائی جو آپ نے عبادت اور اس کے بندوں کی خدمت میں گذار دی۔

آپ نے باوجود پیرانہ سالی کے بیرونی جماعتوں کے دورے کئے تین چار بار انگلستان' امریکہ' ٹرینیڈاڈ' گیانا' سرینام گئے۔ آپ کی کوششیں رنگ لائیں اور بیرونی جماعتوں منظم ہوئیں اور ان میں عملی روح پیدا ہوئی۔ آپ سرینام میں آخری مرتبہ جولائی ۱۹۸۴ء میں پاراماریبو کی عظیم الشان مسجد کے افتتاح کے سلسلہ میں تشریف لے گئے۔ خطبہ جمعہ کے موقعہ پر آپ نے سورہ نور کی یہ آیت پڑھی **فی بیوت اذ ن اللہ ان ترفع یذکر فیھا اسمہ یسبح لہ فیھا بالغدو والاصال (۲۴:۳۶)۔**

"یہ نور ان گھروں میں ہے جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند کئے جائیں اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے ان میں اس کی تسبیح صبح و شام کے وقتوں میں کرتے رہتے ہیں۔"

آپ نے فرمایا یہ گھر مسجدیں ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کا نام سب گھروں سے زیادہ لیا جاتا ہے اور اس لئے ان کی تکریم بھی سب سے زیادہ ہوتی ہے اور خانہ کعبہ میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے لہٰذا جس قدر افضال و اکرام کی بارشیں وہاں ہوتی ہیں اور کہیں نہیں ہوتیں اور جس قدر تکریم اس مقام کو حاصل ہے اور کسی مقام کو حاصل نہیں۔ کیونکہ وہاں ہر وقت خدا کا ذکر ہوتا ہے۔

قرآن کریم کا ایک نام **الذکر** ہے۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون (الحجر ۱۵:۹)۔** "ہم نے خود یہ نصیحت (قرآن مجید) اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔" جن گھروں میں اللہ کا ذکر یعنی قرآن کریم پڑھا جاتا ہے ان گھروں پر بھی اللہ تعالیٰ اپنے افضال کی بارشیں فرماتا ہے اور ان میں رہنے والوں کو باعزت زندگی عطا کرتا ہے۔

چنانچہ اس ذکر کو پھیلانے کا اہتمام بھی آپ کے دست مبارک سے ہوا۔ ہسپانوی زبان میں ترجمہ ہوا پھر زبردست تحریک جماعت میں پیدا ہوئی۔ امریکہ جماعت نے روسی' چینی اور جرمن زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا ان کے علاوہ احادیث العمل' ریلیجن آف اسلام اور دیگر کئی کتب کے ترجمے جرمن زبان میں شائع ہوئے۔ ان تراجم کے ذریعہ اسلامی تعلیم کا نور انشاء اللہ دنیا میں پھیلے گا۔

انگریزی سے ترجمہ

اطہر رسول (متعلم ایم اے جرنلزم)

ہمارے شفیق رہنما اور ایک درخشندہ مثال

از ڈاکٹر زاہد عزیز، انگلستان

"جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا" (القرآن ۱۷:۵۷)۔

اس خراج تحسین کے لئے میں نے مذکورہ بالا آیت کریمہ کا انتخاب اس بناء پر مناسب خیال کیا ہے کیونکہ ہمارے دور میں مرحوم حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے ذریعہ ہی تحریک احمدیہ، لاہور میں ایک نئی روح پیدا ہوئی اور جماعت کو اپنی کارکردگی، فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک دفعہ پھر ادراک ہوا۔

جب ہم ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مرحوم کے بارے میں اپنی ذاتی یادوں اور مشاہدات پر نظر دوڑاتے ہیں تو یہ امر قطعی طور پر ناگزیر ہو جاتا ہے کہ اس نوعیت کے مواد پر مبنی مضمون میں مضمون نگار سے متعلق کئی ایک ذاتی حوالہ جات کا ذکر بھی آ جاتا ہے اور اس ذکر میں محض مرحوم کے ایک شاہد، شکرگذار اور احسان مند ہونے کے ناطے سے تاثرات اور واقعات کا بیان فطری امر ہے۔ اس مضمون کا حقیقی مقصد مرحوم حضرت امیر کی عظیم الشان خوبیوں، کردار اور کارناموں پر روشنی ڈالنا ہے۔

یہ امر میرے لئے نہایت تکلیف دہ ہے کہ میں مرحوم حضرت امیر صاحب کے بارے میں ذاتی تاثرات قلمبند کروں کیونکہ تحریر کا یہ عمل مجھے آپ کی وفات کی حقیقت کا سامنا کرنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس موقع پر صرف **انا للہ و انا الیہ راجعون** کے الفاظ میری تسکین کا باعث بنتے ہیں۔ جب بھی حضرت امیر مرحوم کے کسی عزیز کی وفات پر ہم ان سے تعزیت کرتے تو آپ بے مثال صبر اور خدا کی رضا کے سامنے سر جھکانے کا مظاہرہ کرتے اور ہمیں بھی خدا کے لکھے کو قبول کرنے کی تلقین فرماتے۔

ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سے میری پہلی ملاقات ۱۹۷۵ء کے موسم گرما میں آپ کے دورہ انگلستان کے دوران میں ہوئی۔ یہ دورہ ان دورہ جات میں سے ایک تھا جو آپ نے جماعت احمدیہ، لاہور کو پاکستان سے باہر قائم کرنے اور مستقل بنیادوں پر استوار کرنے کی غرض سے کئے۔ آپ کا نام ہمارے خاندان میں نہ صرف آپ کی جماعت کے ساتھ طویل مدت کی وابستگی اور ممتاز حیثیت کی بناء پر جانا جاتا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ آپ نے میری رشتے کی دادی جان کا ۱۹۴۴ء میں پھیپھڑوں کا علاج کیا تھا جب وہ آپ کے زیر انتظام معروف ڈاڈر ٹی بی سینیٹوریم میں زیر علاج تھیں۔

۱۹۷۵ء میں مذکورہ ملاقات کے بعد اگلے ۲۱ برس تک مجھے اپنے کام کے سلسلے میں آپ کی دانشمندانہ راہنمائی، مشوروں اور حوصلہ افزائی سے مستفید ہونے کا خصوصی امتیاز اور سعادت حاصل رہی۔ تحریک کے لئے کئے گئے اس کام کی توفیق کے لئے میں ہمیشہ اللہ کا شکر گذار رہوں گا۔ ہر کسی کو کام کرتے ہوئے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ آپ کے ماتحت نہیں ساتھ کام کر رہا ہو۔ کیونکہ آپ کا ہر فرد کے ساتھ سلوک دوستانہ اور مساویانہ ہوتا تھا۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب سے میری ملاقات اس وقت ہوئی جب ۱۹۷۴ء کے موسم گرما میں احمدیوں کے خلاف پر تشدد ہنگاموں کے بعد حکومت پاکستان نے احمدیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا تھا۔ اس فیصلے نے احمدیوں کو اپنی تاریخ کے شدید ترین دھچکے سے دوچار کر دیا تھا۔ ہمارے احباب کو پاکستان کے مذہبی راہنماؤں کی جانب سے تحریک احمدیہ کا ساتھ نہ چھوڑنے کی صورت میں جان و مال کے نقصان اور معاشرتی مقاطعہ کی دھمکیاں دی گئی تھیں۔ فطری طور پر ہم سب جماعت کے مستقبل کے بارے میں اندیشوں، غیر یقینی اور شکوک و شبہات کا شکار تھے۔ ان حالات میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی جانب سے سچائی کے نصب العین کے حصول اور تمام مشکلات اور خطرات کا ذاتی طور پر مضبوط کردار اور مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرنے سے ہمیں نہ صرف بے

پناہ تقویت حاصل ہوئی بلکہ تحریک پر ہمارا ایمان مزید پختہ ہو گیا۔

انہی دنوں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے مجھ سے باتیں کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اگر اللہ نے اس جماعت کے خاتمے کا ارادہ کر لیا ہے تو پھر ہم اسے بچانے کے لئے جو کچھ چاہیں کر لیں ہم اسے نہیں بچا سکتے۔ مگر میرا خیال نہیں ہے کہ اللہ نے اس جماعت کے خاتمے کا ارادہ کیا ہے۔" بالفاظ دیگر اگر اللہ اس جماعت کی بقاء چاہتا ہے تو اس جماعت کو کوئی طاقت بھی کچل نہیں سکتی۔ بعد کے حالات نے یہ بات بالکل سچ ثابت کر دی کہ اللہ نے اس جماعت کو محفوظ رکھا' اس کی آڑے وقت میں مدد کی اور اسے تقویت پہنچائی۔ وہ افراد جو کہ اس جماعت کے خاتمے کے لئے سرگرداں تھے خود اللہ کے ہاتھوں صفحہ ہستی سے مٹ گئے اور وہ مطلبی احباب جنہوں نے اس تحریک کو آزمائش کی گھڑی میں خیرباد کہہ دیا تھا' بالاخر مایوسی کے سوا کچھ بھی حاصل نہ کر پائے۔

۱۹۷۵ء سے ۱۹۸۵ء تک آپ نے ۸۱' اور ۸۳ کے علاوہ ہر برس انگلستان کا دورہ کیا اور وہاں کئی ہفتے قیام کیا۔ آپ نے ۱۹۸۶ء میں بھی وہاں جانے کا ارادہ کیا مگر یہ دورہ دل کی تکلیف کی بناء پر منسوخ کرنا پڑا۔ انگلستان سے آپ دیگر ممالک میں موجود شاخوں کا دورہ کیا کرتے تھے جن میں ہالینڈ' جزائر غرب الہند' سرینام' ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور جرمنی شامل ہیں۔ انگلستان میں آپ جماعت کے ارکان سے ملاقات کے لئے لندن سے باہر بریڈ فورڈ اور مانچسٹر تک سفر کیا کرتے تھے۔ آپ نے یہ تمام تھکا دینے والی مسافتیں اس وقت طے کیں جب آپ ۷۵ سے ۸۵ برس کی عمر کے درمیان تھے۔

جب بھی آپ انگلستان میں ہوتے یا دیگر ممالک کا دورہ کرتے تو آپ جماعت کے ہر رکن سے ملاقات کرتے جس سے ملنا ممکن ہوتا تاکہ ان کی تحریک کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے لئے حوصلہ افزائی کی جا سکے۔ ان تمام ملاقاتوں کے لئے اکثر اوقات آپ نہایت معمولی اور غیر آرام دہ ذرائع آمدورفت' جیسے بس وغیرہ کو استعمال کیا کرتے تھے اور نہایت معمولی درجے کی اور غریبانہ رہائش بھی اختیار کر لیتے تھے۔ میں نے آپ کو ان لوگوں سے ملاقات کرتے اور اپنے ذاتی آرام کا خیال کئے بغیر ان کے خستہ حال گھروں میں رہتے ہوئے دیکھا ہے جو کہ شمالی انگلستان کے گندے اور تاریک صنعتی علاقے میں واقع تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ مذکورہ حالات میں وہاں قیام پذیر تھے تو آپ کے میزبان نے معذرت خواہانہ لہجے میں آپ سے عرض کی: "مجھے افسوس ہے کہ جہاں میں رہائش پذیر ہوں' یہ کوئی خوشگوار مقام نہیں۔" جواب میں آپ نے ارشاد فرمایا: "میں یہاں لوگوں سے ملنے آیا ہوں' میرے لئے زیادہ اہم یہ بات ہے کہ وہ خوشگوار ہوں۔"

آپ کے ساتھ سفر کے دوران بعض مواقع پر میں نے خدائی ہاتھ کی معاونت کو محسوس کیا۔ ہمارے سفر کے دوران نہایت غیر متوقع باتیں ہوئیں جنہوں نے ہمیں تکالیف سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ ۱۹۷۹ء میں جب ہم کار پر کسی شخص سے ملنے جا رہے تھے تو میری ناقص راہنمائی کے باعث ہم غلط موڑ مڑ گئے اور قطعی اتفاقی طور پر ہم اس شخص کے بھائی کے گھر کے سامنے سے گزرے جو کہ ہماری منزل سے چند گلیاں ہٹ کر تھا۔ یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ جب ہم وہاں سے گزر رہے تھے تو اس کے بھائی' اپنے گھر کے باہر ہی کھڑے تھے۔ ہم ان سے بات کرنے رک گئے۔ ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ ان کے بھائی جس سے ہم ملاقات کرنے جا رہے تھے' وہ ہسپتال میں داخل تھے۔ لہٰذا ان کے گھر جانا ایک بے کار سفر ہوتا۔ بعد ازاں ہم اس شخص کی عیادت کے لئے ہسپتال چلے گئے۔

۱۹۸۲ء سے قبل ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے انگلستان کے دورہ جات کے دوران ایک ایسا دور تھا جب انگلستان میں جماعت کئی ایک مسائل سے دوچار تھی جو کہ ظاہراً ناقابل حل دکھائی دیتے تھے۔ آپ ہمارے لئے تقویت اور ہمت افزائی کا سرچشمہ تھے۔ کئی مرتبہ ہمیں عید جیسی تقریبات بھی لندن کے مختلف مقامات پر کرائے کی عمارات میں منعقد کروانی پڑیں۔ ان مواقع پر اگر آپ انگلستان میں موجود ہوتے تو شرکت کے لئے ضرور تشریف لاتے۔

اس وقت انگلستان کی جماعت کو ایک مرکز کی شدید ضرورت تھی اور انہوں نے عمارت خریدنے کے لئے تقریباً پانچ ہزار پاؤنڈ اکٹھے کر لئے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں دورۂ انگلستان کے دوران ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے ہمیں مطلع فرمایا کہ آپ امریکہ کے آئندہ دورے کے دوران وہاں سے اس عمارت کے لئے مزید پانچ ہزار پاؤنڈ اکٹھے کرنے کی کوشش کریں گے۔ جب آپ نے امریکہ کے احباب جماعت کے ایک اجلاس میں اس سلسلے میں اپیل کی تو اللہ نے احباب کے دل اس قدر کھول دیئے کہ توقع سے چار گنا زیادہ رقم اکٹھی ہو گئی۔ جب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ایک تھکا دینے والے سفر کے بعد اس فنڈ سمیت لندن پہنچے تو آپ نے رقم جمع کروانے کی خاطر ایئرپورٹ سے فوراً بینک کا رخ کیا۔

اسی بناء پر ۱۹۸۲ء میں ویمبلے کے علاقہ میں ہماری توقعات سے بڑھ کر وسیع عمارت خرید لی گئی۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اسی برس اس عمارت کی افتتاحی تقریب میں شرکت کی غرض سے تشریف لے گئے۔ (انٹرنیٹ کے ہمارے عالمگیر صفحات پر ایک تصویر پیش کی گئی ہے جس میں اس مذکورہ موقع پر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کو خطبہ جمعہ کی شکل میں اس عمارت کی افتتاحی تقریر کرتے دکھایا گیا ہے۔)

مجھے اس خصوصی اجتماع میں ایک نہایت مفید نصیحت یاد ہے جو آپ نے کسی دوسری تقریر میں کی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "اگر آپ لوگ علی الصبح بیدار ہو جائیں تو نماز کے بعد کا وقت مذہبی مطالعہ اور کام کرنے کے لئے نہایت مناسب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس وقت آپ اپنی روزمرہ کی دنیاوی مصروفیات میں نہیں الجھے ہوتے اور یہ پرسکون وقت نہایت تعمیری ثابت ہو سکتا ہے۔"

فی الحال میں نے محض ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے انگلستان کے دورہ جات کی یادوں کا ہی ذکر کیا ہے۔ جماعت احمدیہ' لاہور کے لاہور میں منعقد ہونے والے کئی سالانہ جلسوں میں جن میں میں نے شرکت کی' مجھے آپ کو مشاہدہ کرنے' آپ کے ہمراہ کافی دیر تک وقت گذارنے اور کام کرنے کا موقع میسر آیا۔ اس دوران میں کئی ایسے واقعات مجھے یاد ہیں جو کہ نہایت روح پرور حیثیت کے حامل ہیں۔

۱۹۷۶ء کے اوائل میں' جب میں نے آپ سے درخواست کی کہ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے ارشاد فرمایا "درحقیقت' وہ شخص جس کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرتے ہیں' روحانی لحاظ سے نہایت اعلیٰ درجے پر ہونے چاہئے جو کہ میں نہیں ہوں۔" اس پر میں نے کہا "مگر ہم یقین رکھتے ہیں کہ آپ ہیں۔" یہ سنتے ہی آپ پر عاجزی اور اللہ کے خوف سے کپکپی طاری ہو گئی اور آپ نے **استغفراللہ** کہا۔

جب آپ سالانہ جلسہ کے موقع پر آ کر جلسہ گاہ میں تشریف رکھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جلسہ کی حرمت اور تقدیس میں کئی درجہ اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم آپ کے افتتاحی اور اختتامی خطبات کے بے چینی سے منتظر رہتے تھے۔ خاص طور پر ہر جلسہ کے اختتام پر آپ کا اختتامی خطبہ دلوں کو پگھلا دینے والا اور روح کو مصفا کر دینے والا ہوتا تھا۔ اس اثر کو الفاظ میں مناسب طور پر بیان کرنا ممکن نہیں اور نہ ہی اسے دماغ میں دوبارہ دوہرایا جا سکتا ہے بلکہ اسے صرف اس موقع پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ اختتامی دعا' جس میں دوسرے لوگ بھی ہاتھ اٹھا کر شامل ہوتے' آپ کی اللہ کے حضور عاجزانہ گڑگڑاہٹ' ہر آنکھ سے اس طرح آنسو بہا دیتی تھی کہ وہ دلوں کی گہرائی سے نکلتے ہوئے محسوس ہوتے اور ہمیں یونہی احساس ہوتا جیسے ہم اللہ کے حضور بذات خود حاضر ہو کر دعا کر رہے ہیں۔

۱۹۹۴ء کے سالانہ دعائیہ کے ایک ایسے ہی اختتامی اجلاس کا میں شاہد ہوں (جو کہ آپ کی زندگی کے آخری جلسوں میں سے تھا) اس موقع پر قوت تحریک اور روحانی طاقت کا شاندار مشاہدہ کرنے کو ملا۔ آپ کا اختتامی خطبہ اور دعا حتیٰ کہ آپ کی موجودگی اس وقت انتہائی متاثر کرنے والی تھی اور جب آپ جلسہ گاہ میں لوگوں کے درمیان سے سلام کرتے ہوئے گزر رہے تھے تو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہاں اصل حاضرین سے کہیں زیادہ ایک عظیم جم غفیر موجود ہے۔ بعدازاں اگلے سالانہ دعائیہ کے موقع پر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے بذات خود اس بات کا ذکر کیا کہ انہوں نے مذکورہ موقع پر ایک غیر معمولی روحانی کیفیت محسوس کی تھی۔

اگرچہ مذہبی روایات کو مشکوک نظر سے دیکھنے والے اور دنیاوی ذہنیت کے حامل لوگ اس بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کر سکتے ہیں مگر یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ اس قسم کا روحانی ماحول صرف خدا کی ایک مقدس ہستی کے گرد ہی قائم ہو سکتا ہے جس میں فرشتے حاضرین کے دلوں کو تقویت پہنچانے کے لئے نازل ہوتے ہیں۔ اگر ہمارے دور میں کبھی فرشتوں کو اہل ایمان کی تقویت کے لئے آسمان سے نازل ہوتے محسوس کرنے کا موقع ملا ہے تو ایسا ہمارے ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جیسے بزرگوں کے ذریعہ ہی ممکن ہوا ہے۔

لاہور میں مجھے آپ کی جس خوبی کے مشاہدے اور اس سے مستفید ہونے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا ہر ایک سے ملنا' مہمان نوازی اور غیر رسمی رویہ تھا۔ جو بھی چاہتا آپ سے کسی بھی وقت مل سکتا تھا اور بلاتکلف جا کر آپ کے پاس بیٹھ کر بات کر سکتا تھا۔ حتیٰ کہ آپ کی بیماری کے آخری تین برس میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا' سوائے اس وقت کہ جب آپ کو زیادہ آرام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ آپ مہمان کی تواضع کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لانے کو کہتے اور نہایت شفقت سے ہمارے سامنے رکھتے۔ بعض دفعہ آپ بذات خود پھلوں کے چھلکے اتارتے اور پھل ہماری پلیٹ میں رکھ دیتے۔ آپ کا یہ مشفقانہ رویہ مجھے بعض اوقات مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتا کہ جب آپ ہم

سے رخصت ہو جائیں گے تب ہم آپ کی کمی کتنی محسوس کریں گے؟ ہم نے اسلام کے حقیقی روحانی راہنماؤں میں ایسی خوبیوں کی موجودگی کے بارے میں پڑھ اور سن رکھا تھا کہ وہ تنہائی اور مصنوعی نمود و نمائش پر مبنی زندگی (جو کہ موجودہ مفاد پرست مذہبی راہنماؤں میں عام ہے) کی بجائے اپنے پیروکاروں کے ساتھ مشفقانہ انداز میں گھل مل کر بیٹھتے۔ ان کے کام آتے اور ان کے آرام کا خیال رکھتے اور ان کا خوش دلی سے استقبال کرتے اور یہ سب کچھ میں نے حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب میں دیکھا۔

آپ نہایت سادہ اور دیندار زندگی بسر کرنے پر یقین رکھتے تھے اور اس بات پر بہت زور دیتے تھے کہ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں اسلام کی تعلیمات، آنحضرت محمدؐ کے اسوۂ حسنہ اور تحریک احمدیہ کے عظیم مردوں اور خواتین کے نمونوں پر عمل پیرا ہوں۔ لہٰذا مذہبی فرائض کی ادائیگی کے علاوہ معاشرتی معاملات میں بھی آپ ان بے کار تفصیلات پر مبنی تقریبات، رسم و رواج اور تکلف کے سخت خلاف تھے جو کہ بد قسمتی سے مسلمانوں میں مروج ہیں۔ چونکہ ہمارے مرحوم راہنما نے ان بے بنیاد رسم و رواج اور تقریبات (جن میں اکثر شادی اور مرگ سے متعلق ہوتی ہیں) کو مسترد کر کے ہمارے لئے درخشاں مثال قائم کی ہے تو اب ہم سب پر لازم ہے کہ ایسی بے حقیقت باتوں کو اپنی زندگی سے نکال باہر کریں ورنہ ہم اپنی تحریک سے باہر کے مسلمانوں کو کس طرح اس بارے میں تبلیغ کر سکتے ہیں؟

میں آپ کی قیادت کے دو مزید پہلوؤں کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن سے ہماری تحریک بے انتہا مستفید ہوئی ہے اور جو ہمارے لئے ایک نمونہ ہیں۔ ان میں سے ایک آپ کے وہ ان تھک سفر ہیں جو آپ نے مرکز اور اس کی شاخوں کے درمیان رابطے کو تقویت دینے کے لئے دنیا کے مختلف حصوں میں کئے۔ آپ کے ان ذاتی سطح کے رابطوں نے دنیا بھر میں تحریک میں ایک نہایت بیش قیمت اور مستحکم رشتہ قائم کرنے میں مدد دی۔ آپ جہاں بھی تشریف لے گئے وہاں جماعت کے ہر معمولی رکن سے بھی ملاقات کی۔ جیساکہ میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں۔ اپنی مضبوط یادداشت کی بناء پر آپ دوسروں کی بتائی ہوئی تمام ذاتی تفصیلات بھی یاد رکھتے تھے اور اگر آپ کسی شخص سے دوبارہ ملاقات کرتے تو اسے یہ بات بتانے کی ضرورت پیش نہیں ہوتی تھی کہ وہ کون ہے۔ یا کوئی اور بات جو اس شخص نے اپنی پہلی ملاقات کے دوران آپ کو بتائی ہو۔ اگرچہ یہ سب کچھ غیر معمولی معلوم ہوتا ہے مگر یونہی محسوس ہوتا تھا کہ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہر فرد کو ذاتی طور پر جانتے تھے۔

دوسرا پہلو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی ان افراد کے لئے عزت، قدر اور حوصلہ افزائی ہے جو جماعت کے لئے مخلصانہ اور بے لوث انداز میں کام کرتے ہیں۔ آپ انہیں جماعت میں آگے لانے کے لئے مشتاق رہتے تھے اور انہیں ذمہ دار حیثیت پر مقرر کرتے تھے تاکہ جماعت ان کی صلاحیتوں سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے۔ اگر کوئی شخص مخلص اور باصلاحیت ہوتا تو آپ اس کے پس منظر، عمر، حیثیت، خاندان کو چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔ آپ صلاحیتوں کی پہچان کر لیتے اور ان کی ترقی کے لئے حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب بہت سی ایسی خوبیوں کے مالک تھے جن کا نہ صرف ایک حقیقی مسلمان راہنما میں بلکہ کسی بھی تحریک کے انتظامی سربراہ میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی اور اللہ کی خاص نعمت تھی کہ ایسی ہستی ہم میں موجود تھی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ہماری جماعت نے آپ کو راہنما منتخب کرنے کا فیصلہ کیا۔ آپ نے ہمارے نصب العین کے حصول کے لئے ہر ممکن کوشش کی اور اپنے دل و دماغ کی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو اس کے لئے وقف کر دیا۔ جب سے میں آپ کو جانتا ہوں۔ آپ نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس جماعت کی ترقی کے لئے ہی وقف کیا۔

آپ ہم سب کے لئے تقویت اور تحفظ کا سرچشمہ تھے۔ قرآن کریم کی ایک تمثیل کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ ہمارے لئے ایک مضبوط درخت کی مانند تھے جس کی گہری اور مستحکم جڑیں اور بلند شاخیں ہوتی ہیں اور جس کے سائے تلے ہم نے ایک عرصہ تک محفوظ اور آرام دہ پناہ حاصل کی۔ آپ اس وقت اللہ کے حضور گریہ و زاری کرتے جبکہ ہم اس احساس کے ساتھ پرسکون نیند سوئے ہوتے تھے کہ آپ موجود ہیں۔ اب جبکہ آپ نے اپنا فرض پورا کر کے ہمارے لئے نمونہ قائم کر دیا اور رخصت ہو گئے ہیں تو ذمہ داری ہمارے کاندھوں پر آن پڑی ہے۔ جیساکہ قرآن کریم فرماتا ہے:

"سب جو اس کے اوپر ہیں، فنا ہونے والے ہیں اور تیرے رب کی ذات باقی رہتی ہے جو جلال اور عزت والا ہے" (القرآن ۲۷،۲۶:۵۵)۔

وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

بشیر احمد۔ پشاور

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے

کل من علیھا فان ○ و یبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ○ ... کل یوم ھو فی شان ○

سورۃ رحمٰن کی ان آیات سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے دنیا کی کئی ظاہری نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا "یہ سب فنا ہونے والی ہیں صرف تیرے رب کی ذات ہے جو باقی رہتی ہے جو جلال اور عزت والا ہے ہر آن وہ ایک نئی شان میں ہے۔ گویا خالق اور مخلوق میں یہ فرق ہے کہ خالق کی ذات میں کوئی تغیر نہیں اور مخلوق کوئی بھی ہو کسی تغیر سے پاک نہیں۔ پس تم مخلوق کی رضامت چاہو اور اس بڑی نعمت کو جو رضا الٰہی ہے مت چھوڑو۔

دوسری جگہ سورۃ آل عمران میں فرمایا:

کل نفس ذائقۃ الموت۔ و انما توفون اجورکم یوم القیمۃ فمن زحزح عن النار۔ و ادخل الجنۃ فقد فاز۔ و ما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور (۱۸۴)۔

ہر ایک شخص موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے اور تم کو صرف قیامت کے دن تمہارے پورے اجر دیئے جائیں گے۔ پس جو آگ سے دور رکھا گیا۔ جنت میں داخل کیا گیا۔ وہ ضرور مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی نرا دھوکے کا سامان ہے۔

مندرجہ بالا آیات میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے۔ وہ دنیا جس نے ہمارے صد احترام امیر' ہمارے محسن' ہمارے قائد ہم سے چھین لئے۔ ہم دیکھتے رہ گئے۔ بلکہ اپنے ہاتھوں سے منوں مٹی کے نیچے دفن کر دیا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**

میرا یہ مضمون اسی عظیم ہستی کے نام ہے۔

ابتدائی حالات

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تحصیل و ضلع مانسہرہ (پاکستان) کے گاؤں دیب گراں میں ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا گھرانہ دنیاوی لحاظ سے متوسط تھا لیکن زہد و تقویٰ میں یکتا تھا۔ آپ کے والد بزرگوار حکیم محمد یحییٰ صاحب ایک بااثر زمیندار اور طبیب تھے۔ اپنے علاقہ کے صادق اور امین تھے۔ علاقہ کے لوگ نقدی اور زیورات آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے۔ مشہور ہے کہ وہ کمرہ جو طب اور حکمت کے لئے مخصوص تھا۔ اسی کمرہ میں امانتیں رکھی جاتی تھیں۔ اس کمرے کے چھت میں ایک سانپ کا بسیرا تھا۔ آپ پیالے میں دودھ رکھ دیتے۔ سانپ دودھ پی کر چھت میں چلا جاتا۔ ایک دفعہ آپ کے ایک نوکر کی نیت خراب ہو گئی۔ چنانچہ وہ آپ کی عدم موجودگی میں چوری کی نیت سے کمرے میں داخل ہوا۔ جونہی وہ نقدی کے پاس پہنچا سانپ چھت سے غضبناک ہو کر فرش پر اتر آیا۔ سانپ کو اس حالت میں دیکھ کر نوکر بھاگ گیا۔ بعد میں جب حکیم صاحب کو پتہ چلا تو نوکر کو کوئی سرزنش نہ کی بلکہ معاف کر دیا۔

اسی طرح ہمارے بزرگ شیخ شریف احمد صاحب (پشاور) بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد صاحب نتھیا گلی میں بیمار ہو گئے۔ انہوں نے ایک خط حکیم مولوی محمد یحییٰ صاحب کو اپنی بیماری کے متعلق لکھا۔ جونہی حکیم صاحب کو خط ملا' شام کا وقت تھا' دوائیوں کا بیگ لیا اور پیدل نتھیا گلی روانہ ہو گئے۔ ساری رات پہاڑوں اور جنگل کے سفر کے بعد علی الصبح نتھیا گلی پہنچ گئے۔ نہ جنگلی درندوں کا خوف' نہ انسانوں کا ڈر۔ آپ ان آیات کی عملی تفسیر تھے کہ "مومنوں کے دل اپنے بھائیوں کے لئے نرم ہوتے ہیں۔" سادگی آپ کا شعار تھی۔ غریب پروری میں بے مثال۔ یہ تھا وہ گھرانہ جس میں ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے آنکھ کھولی اور پرورش پائی۔

حضرت امیر مرحوم نے ابتدائی تعلیم اپنے والد صاحب سے حاصل کی اور قرآن پاک کی تعلیم مولوی حیات اللہ صاحب سے۔ پھر ایک گاؤں' داتہ' (جو کہ راقم کے آباؤ اجداد کا گاؤں ہے) جو اس وقت دینی تعلیم کے لئے شہرت رکھتا تھا' میں مزید تعلیم حاصل کی۔ داتہ کے حوالہ سے میں یہ بھی لکھتا چلوں کہ بچپن کی یاد آپ کے ذہن میں اتنی پختہ تھی کہ بعد میں آپ جب بھی داتہ تشریف لاتے تو از راہ تعظیم اپنا ہیٹ گاؤں سے ملحقہ سڑک پر ہی اتار کر اپنی گاڑی میں رکھ دیتے۔

مزید تعلیم مانسہرہ اور ایبٹ آباد سے حاصل کی۔ آپ نے کچھ عرصہ قادیان میں بھی گذارا یہی وہ دن تھے جب آپ کو حضرت مسیح موعود کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ ان کی صحبت میں بیٹھے اور ان کی دعائیں آپ کے شامل حال رہیں۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب اور ان کے درس کا اثر تمام زندگی آپ پر رہا۔ یہی وہ بابرکت دن تھے جب حضرت مسیح موعود نے بڑی توجہ سے آپ کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا یہ بچہ کون ہے؟ مولوی محمد یحییٰ صاحب نے فرمایا حضور کا غلام زادہ ہے۔ حضرت مسیح موعود نے نام پوچھا نام بتایا گیا اور کہا کہ یہ نام آپ نے ہی رکھا تھا۔ حضور نے دعائیہ کلمات آپ کے حق میں فرمائے۔ یہی وہ دن تھے جب مسجد مبارک میں حضرت مولانا نورالدین نے اپنا درس حدیث چھوڑ کر آپ کو اپنی گود میں بٹھالیا اور بہت پیار کیا اور فرمایا کہ اس لڑکے کے باپ نے میری جو خدمت کی ہے وہ نہ کسی کا بھائی کر سکتا ہے نہ ماں نہ بیٹی اور نہ بیوی کر سکتی ہے۔ اس وقت کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ حضور کا یہ غلام زادہ ایک دن آپ کی جماعت کی قیادت کرے گا۔

اسلام کے لئے غیرت آپ کو نوعمری سے ہی تھی۔ سال ۱۹۲۲ء ۲۳ کا واقع ہے جب آپ میڈیکل کالج میں زیر تعلیم تھے۔ کالج کے ہاسٹل میں اذان کے مسئلہ پر جو ایک غیر احمدی دیا کرتے تھے ہندو طلباء سے جھگڑا ہو گیا۔ غیر مسلم طلباء نے انگریز پرنسپل سے شکایت کر دی تو انگریز پرنسپل نے اذان دینی بند کروا دی۔ جو لوگ اذان دیا کرتے تھے انہوں نے کمزوری کا اظہار کیا۔ چنانچہ آپ چند طلباء کو لے کر حضرت امیر مولانا محمد علی علیہ رحمتہ کی خدمت میں آئے اور مدعا پیش کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ اذان کیسے بند ہو سکتی ہے اور اذان کے متعلق مسلمان کسی کا حکم کیسے مان سکتا ہے۔ اگر آپ لوگوں نے ایسی معمولی باتوں پر کمزوری دکھائی تو پھر اسلام کے لئے آپ سے اور کیا توقع ہو سکتی ہے۔ آپ واپس جا کر پرنسپل کے فیصلہ کے خلاف ڈٹ گئے اور مضبوطی دکھائی۔ اور نتیجتاً آپ کو فتح ہوئی اور ہاسٹل میں نماز اور اذان جاری ہو گئی۔

آپ کی طویل زندگی بھی خدا تعالیٰ کے فضل اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ تھی۔ آپ ایام جوانی میں ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ ہرچند کہ علاج اور دوا میں کوئی کسر نہ چھوڑی مگر افاقے کی رفتار سست رہی۔ آپ کے والد صاحب نے جماعت کے بزرگوں سے صحت یابی کے لئے دعا کی استدعا کی۔ ہر احمدی نے رو رو کر اور گڑگڑا کر دعا کی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم کہتے ہیں کہ میں سجدہ میں دعا کر رہا تھا کہ بے ساختہ میرے منہ سے یہ الفاظ نکلے ''اللہ میرے بیٹے سعید کو شفا بخش۔''

اسی طرح آپ کے والد صاحب کے دوست ہزارہ کے مولوی عبدالرحمٰن مرحوم آپ کی صحت کے لئے دعا میں مصروف تھے تو ان کو آواز آئی۔ ''سعید بل ہو گیا اے'' یعنی سعید صحت یاب ہو گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر آپ کے والد صاحب کی دعا تھی کہتے ہیں کہ آپ کے والد صاحب نے دعا کی کہ ''اے اللہ میری بقیہ زندگی بھی سعید کو دے دے'' اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ جب آپ مکمل صحت یاب ہو گئے تو آپ نے پھر اپنی زندگی کے لئے دعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے ان کی دوسری دعا بھی قبول فرمائی۔ خدا تعالیٰ کی سنت کے مطابق جب کوئی انسان دوسروں کے لئے منفعت بخش ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کی عمریں دراز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں صالح بزرگ ہستیوں کو طویل عمر سے نوازا۔ آپ کے والد مولوی محمد یحییٰ صاحب نے ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔

آپ کی زندگی خدمت خلق میں گزری۔ خدمت خلق کے دو دریا جاری تھے ایک لوگوں کی جسمانی بیماریوں کا علاج اور دوسرا روحانی بیماریوں کا علاج۔ سالہا سال تک ڈاڈر سینیٹوریم میں ٹی بی جیسے خطرناک مریضوں کا علاج کرتے رہے۔ دوران ملازمت ایک بادشاہ نے ذاتی معالج کے طور پر ملازمت کی پیشکش کی لیکن آپ نے غریب اور نادار مریضوں کی خدمت کرنے کو ترجیح دی اور اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

اپنے بچپن میں مجھے کئی بار ڈاڈر جانے کا اتفاق ہوا۔ ہمارا مسکن آپ کا ہی گھر ہوا کرتا تھا۔ آپ بہترین منتظم تھے۔ طبیعت میں سنجیدگی لیکن شگفتگی تھی۔ کبھی نہیں دیکھا کہ کسی ماتحت کے ساتھ سختی سے پیش آئے ہوں لیکن روحانی دبدبہ اور رعب اس قدر کہ ہر ملازم آپ کے سامنے آنے سے کتراتا اور اپنی ڈیوٹی میں غفلت اور لاپرواہی کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

آپ معمولی آدمی نہیں تھے اولیاء اللہ میں سے تھے جن کی زندگی لوگوں کے لئے ایک نمونہ تھی۔ آپ کو قرآن، حدیث اور حضرت مسیح موعود کی کتابوں سے عشق تھا۔ سرکاری ملازمت کے دوران ہمیشہ درس قرآن، حدیث اور حضور کی کتب کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس درس میں کیا کشش ہوتی تھی احمدی اور غیر احمدی ہردو یکساں شمولیت کرتے تھے۔ ہر شخص کی تمنا ہوتی کہ بار بار آپ کو سنے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کی آواز کو ایک سحر عطا کیا تھا، ایک شیرینی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ نوجوانی میں ہی آپ کو امامت کی ذمہ داری سونپی جاتی تھی۔ خاص کر صبح کی نماز اور دعاؤں میں وہ سرور ملتا جس کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی۔ کئی غیر احمدی بھی آپ کی تلاوت سننے کے لئے رک

جاتے تھے۔ قرآن پاک کا بیشتر حصہ آپ کو زبانی یاد تھا۔

یتیموں اور غریبوں کی مدد کرنا اپنا فرض اولین سمجھتے تھے۔ قرآن پاک میں ہے کہ "مومن وہ ہیں جو غریبوں اور یتیموں کی دادرسی کرتے ہیں، ان کی خبرگیری کرتے ہیں، ان پر احسان نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔" تو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب اس کی عملی تفسیر تھے۔ آپ کے ہاں نہ صرف کئی یتیم بچے اور بچیوں نے پرورش پائی بلکہ ان کو عملی زندگی میں باوقار مقام تک پہنچانے میں بھی کسر نہ چھوڑی۔ یتیم بچیوں کی شادی کروا کر احسن طریقے سے رخصت کرتے اور بعد میں بھی اپنی اولاد کی طرح خبرگیری رکھتے۔ میرے علم میں کئی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے آپ سے دنیاوی فوائد حاصل کئے اور پھر آپ کو بھول گئے۔ لیکن آپ ان کے دوستوں اور عزیزوں سے ان کی خیر خیریت پوچھتے اور کبھی بھی زبان پر حرف شکوہ نہ لائے۔

آپ کے تقویٰ کا اثر غیر احمدی لوگوں پر بھی تھا۔ ایک دفعہ جیل میں (ایبٹ آباد میں آپ کے گھر کے سامنے جیل ہے) ایک شخص سے پھانسی دینے سے پہلے اس کی آخری خواہش پوچھی گئی تو اس شخص نے کہا کہ جیل کے سامنے والے گھر (دارالسعید) میں جو ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں مجھے ان سے ملوا دو۔ اس شخص کی خواہش پر ڈاکٹر صاحب کو اس شخص سے ملوایا گیا۔ نہ جان نہ پہچان لیکن اس شخص کی خواہش تھی کہ اس کے دو نو عمر بیٹوں کو ڈاکٹر صاحب اپنی سرپرستی میں لے لیں۔ آپ نے اس شخص کی آخری خواہش کا احترام کیا۔ وہ بچے جب تک آپ کے پاس رہے ان کی بہترین پرورش کی۔

یہ سال ۱۹۶۶ء۔۶۷ کا واقعہ ہے کہ میں ایبٹ آباد کالج میں گریجویشن کر رہا تھا اور اپنے عزیزوں کے گھر رہائش پذیر تھا۔ آپ کسی کام سے وہاں تشریف لائے۔ جگہ کا اندازہ کیا اور نہایت شفقت سے کہا کہ تم میرے پاس آ جاؤ۔ یہ جگہ تنگ ہے۔ میں تو نہ جا سکا لیکن اس بات کا اثر اب تک میرے دل پر ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ دو آدمیوں کی زندگی قابل رشک ہے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال دے۔ پھر وہ اس مال کو راہ حق میں خرچ کرے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ علم دے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کی تعلیم دے۔ کس قدر قابل رشک ہے وہ زندگی جسے ان دونوں باتوں کی توفیق ملی۔ یعنی وہ اپنے مال کو بھی راہ حق میں خرچ کرے اور اپنے علم سے بھی دنیا کو فائدہ پہنچائے۔ ایسی ہی زندگی حضرت ڈاکٹر صاحب کو نصیب ہوئی۔

دوران ملازمت دو دن غالباً جمعہ ہفتہ ایبٹ آباد اپنے گھر پر پرائیویٹ پریکٹس کرتے تھے لوگ دور دوراز سے آتے۔ دوسرے ڈاکٹروں کے مقابلہ میں فیس کم تھی۔ غریبوں سے فیس نہیں لیتے تھے۔ بلکہ ان کی دوائیوں کے اخراجات بھی خود برداشت کرتے۔ دوائی اپنے پاس ہوتی تو دے دیتے ورنہ ایبٹ آباد میں دو احمدیوں کی کیمسٹ اور ڈرگسٹ کی دوکانیں تھیں۔ ایک ماسٹر اصغر علی صاحب جو انوار احمد صاحب کے والد مرحوم تھے اور دوسرے احمد صادق صاحب جو ڈاکٹر محمد احمد صاحب کے والد ہیں۔ آپ مریض کو چٹ دے کر ان دو حضرات کے پاس بھیج دیتے اور ماہ بماہ دوائیوں کی قیمت اپنی جیب سے ادا کرتے۔ ایک دفعہ ایک غریب مریض کا نمبر دیر سے آیا۔ رات ہو چکی تھی۔ گھر دور تھا۔ آپ نے اس سے کہا کہ رات ہمارے ہاں ٹھہر جاؤ۔ صبح چلے جانا۔ اس مریض نے گھر جانا ضروری سمجھا۔ آپ نے اس کی فیس بھی واپس کر دی اور ساتھ ہی ٹیکسی کا کرایہ بھی ادا کیا۔

گھر میں بھی عجب حال تھا۔ حدیث مبارک میں ہے **خیرکم خیرکم لاھلہ** یعنی تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ بہتر ہو۔ ان کے لئے اچھا ہو۔ اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے یاد آ رہا ہے۔ میں آپ کے گھر واقع ایبٹ آباد میں تھا۔ آپ کلینک سے دوپہر کا کھانا کھانے تشریف لائے۔ سامنے صحن میں بیگم صاحبہ (والدہ صاحبہ ڈاکٹر عبدالکریم پاشا) بوبو جی کھڑی تھیں ان سے کھانا لانے کو کہا کھانا تیار ہونے میں ابھی وقت تھا۔ کوئی غصہ یا ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا اچھا آپ نہیں دیتیں تو پھر میں اپنے خدا کے سامنے **سربسجود** ہو کر اس سے مانگ لیتا ہوں۔ آپ نماز میں مشغول ہو گئے۔ یہ یاد نہیں کہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی یا نوافل بہرحال بچہ ہونے کے باوجود یہ بات مجھے بہت اچھی لگی۔ اور ابھی تک یاد ہے اور میرے ذہن پر اس کا ایک نقش بن چکا ہے۔

آپ بڑے فراخ دل اور مہمان نواز تھے۔ ایبٹ آباد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے لوگ آس پاس کے گاؤں سے تشریف لاتے۔ چونکہ مسجد آپ کے گھر کا ہی ایک حصہ ہے۔ نماز جمعہ کے بعد مسجد میں یا گھر میں مہمانوں کے لئے دسترخوان بچھ جاتا۔ آپ مہمانوں کو کھانے اور چائے سے نوازتے اور اپنے ہاتھوں سے مہمانوں کی خدمت کرتے۔

محترم شیخ شریف صاحب (پشاور) نے یاد رفتگاں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے چند مہمانوں کی دعوت کی جن میں ان کے والد شیخ فضل کریم صاحب بھی مدعو تھے۔ بڑی پر تکلف دعوت تھی۔ شیخ صاحب مرحوم نے کھانے سے ہاتھ روک لئے یہ کہتے ہوئے کہ کھانا باسی گوشت سے تیار کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فوراً گھر کے

اندر جاتے ہیں۔ مکھن، دہی، لسی وغیرہ جو کچھ گھر میں موجود تھا لاتے ہیں اور فرماتے ہیں بھائی جی (یعنی شیخ صاحب) گھر میں یہ چیزیں تھیں آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ کوئی تیوری نہیں چڑھائی۔ برا نہیں منایا بلکہ مزید جو موجود تھا لا کر حاضر کر دیا۔

ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد ایبٹ آباد میں مستقل رہائش اختیار کرلی۔ گھر کے ساتھ مسجد بنوائی جس میں صبح و شام ذکر الٰہی، درس قرآن اور درس حدیث ہوتا اور حضرت مسیح موعود کی کتب کا درس بھی ہوتا۔ سمر سکول کا آغاز بھی اسی مسجد سے ہوا۔ جہاں جماعت کے نوجوان گرمیوں میں کچھ عرصہ کے لئے اپنے آپ کو دین اور دین کے کاموں کے لئے وقف رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے بھی بڑھ کر دین کی خدمت کے لئے چن لیا۔

سال ۱۹۷۴ء احمدیوں کے لئے حزن کا سال تھا۔ مذہبی انتہا پسندوں نے احمدیوں کے جان و مال پر یلغار کر دی حتیٰ کہ ان کی مسجدیں بھی اس سے نہ بچ سکیں۔ انہی ہنگاموں کے دوران ایبٹ آباد کی فضاؤں نے اس مرد مجاہد، مرد خدا کے گھر کو بھی بلوائیوں کے ہاتھوں نذر آتش ہوتے دیکھا۔ کلینک جل گیا، موٹر گاڑی جل گئی، گھر کا دوسرا قیمتی اثاثہ بھی جل گیا۔ یہ لٹا پٹا قافلہ پناہ کے لئے اپنے بیٹے جنرل عبداللہ سعید مرحوم جو اس وقت PMA میں کمانڈنٹ تھے اور قدرے محفوظ تھے ان کے گھر چلا گیا۔ اسی طرح دیگر ستم زدہ احمدیوں کے قافلے بھی اپنے گھر بار چھوڑ کر جنرل عبداللہ سعید مرحوم کے ہاں پناہ گزین ہو گئے۔ عظیم باپ کے عظیم بیٹے نے ان مصیبت زدہ لوگوں کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہا۔ آپ چاہتے تو گھر اور کلینک کو مرمت کروا کر دوبارہ پریکٹس شروع کر دیتے لیکن آپ نے دنیاوی زندگی کو خیرباد کہہ دیا اور احمدیہ صدر دفتر لاہور آ گئے اور اعزازی کام شروع کر دیا۔ دنیاوی کاروبار دوبارہ شروع کرنے کے لئے چند مخیر احمدی بھائیوں نے مالی امداد کی پیشکش کی علاوہ ازیں Seimens Pakistan Ltd نے آپ کو آسان اقساط پر X-Ray پلانٹ کی پیشکش کی لیکن آپ نے تمام پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور اپنی بقیہ عمر دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی اور حضرت مسیح موعود کے خواب کی بھرپور تکمیل میں مصروف ہو گئے۔

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار
اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب
اسے دے چکے مال و جان بار بار
ابھی خوف دل میں ہے کہ ہیں نابکار
لگاتے ہیں دل اپنا اس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں خاک سے

حضرت مسیح موعود نے فرمایا تھا کہ یورپ اور امریکہ میں تبلیغ کا حق ادا کرنے کے لئے ایک کتاب انگریزی زبان میں لکھی جائے اور یہ آپ کا کام ہے۔ آج جو مغربی ممالک میں اسلام نہیں پھیلتا اس کی یہی وجہ ہے کہ وہ اسلام کی حقیقت سے واقف نہیں۔ ان لوگوں کا حق ہے کہ ان کو حقیقی اسلام دکھایا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ہم پر ظاہر کیا ہے اور وہ امتیازی باتیں جو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں رکھی ہیں وہ ان پر ظاہر ہونی چاہئیں" (بدر ۱۲ فروری ۱۹۰۷ء)

آپ نے لاہور پہنچ کر تبلیغ بلاد غیر کا بیڑہ اٹھایا اور مغربی ممالک جا کر جماعتوں کو زیادہ متحرک کیا۔ ان کے باہمی اختلاف ختم کئے۔ بہترین ثالث کا کردار ادا کیا۔ نئی جماعتیں تشکیل دیں اور نئے مشن ہاؤس کی تعمیر پر زور دیا۔ آپ کے یہ غیر ملکی دورے بڑے کامیاب رہے۔ بیرونی جماعتوں میں روحانیت کی نئی روح پھونک دی گئی۔ حضرت مولانا صدرالدین صاحب مرحوم و مغفور کی وفات کے بعد آپ کو جماعت کا امیر مقرر کر دیا گیا۔ آپ کا زیادہ وقت جماعت کو منظم کرنے میں صرف ہوا۔ آپ کی ہر ممکن کوشش رہی کہ جماعت کو اندرون ملک اور بیرون ملک اختلاف اور انتشار سے پاک کیا جائے۔ آپ اپنے مخالفوں کو بھی بڑے کھلے دل سے Accommodate کرتے رہے۔ آپ نے جماعت کو وہ تمام دعائیں پڑھنے کو کہا جو انبیاء، اولیاء اور صالحین نے مشکلات کے وقت پڑھیں۔ آپ تقریباً پندرہ سال جماعت کے امیر رہے۔ آپ کے دور امارت میں قرآن کریم کے تراجم دنیا کی کئی زبانوں میں ہوئے جن سے ہم سب آگاہ ہیں۔ اس کے علاوہ سلسلہ کی کتب کے بھی تراجم ہوئے اور یہ سلسلہ ابھی جاری ہے۔ حضرت مسیح موعود کا الہام "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا" آپ کے دور میں اس سلسلہ میں کافی پیش رفت ہوئی۔ رسول پاک صلعم کی حدیث "سورج مغرب سے طلوع ہو گا" کی عملی سعادت آپ کے حصہ میں آئی۔ آپ کے دور میں مختلف مغربی ممالک کو ان کی زبان میں قرآن پاک کے تراجم فراہم کئے گئے۔

میری اپنی تو کوئی حیثیت نہیں کہ آپ کے کسی مقام کا تعین کروں آیئے میں آپ کو حضرت مسیح موعود کی تحریر دکھاؤں جس کی روشنی میں آپ کے مقام کا تعین ہوتا ہے۔ حضرت اقدس نے مغرب میں تبلیغ اسلام اور مغرب سے سورج طلوع ہونے یعنی مغربی اقوام کے

اسلام قبول کرنے کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرمایا "ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ ان پیشین گوئیوں کو اس عاجز کے ایک ایسے کامل متبع کے ذریعے سے کسی زمانہ میں پورا کردے" چنانچہ فرمایا "ہر آدمی سمجھ سکتا ہے کہ متبعین کے ذریعے سے بعض خدمات کا پورا ہونا ایسا ہی ہے گویا ہم نے اپنے ہاتھ سے وہ خدمات پوری کیں .... ہمارا ہی روپ لے لیں اور خدا تعالیٰ کا فضل انہیں وہ مرتبہ ظلی طور پر بخش دیوے جو ہمیں بخشا .... کیونکہ جو ہماری راہ پر چلتا ہے وہ ہم سے جدا نہیں اور جو ہمارے مقاصد کو ہم میں ہو کر پورا کرتا ہے وہ درحقیقت ہمارے وجود میں داخل ہے۔"

افسوس وہ شخص دنیا سے اٹھ گیا جس کا وجود ہمارے لئے باعث افتخار تھا اور شاید تحریک احمدیت کا آخری سپوت تھا جس نے حضرت مسیح موعود کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ حضرت مسیح موعود اور ان کے رفقاء کے چشم دید گواہ تھے۔ حضرت امیر کی وفات نہ صرف ان کے خاندان بلکہ پوری جماعت کے لئے سانحہ عظیم ہے جس پر جتنا دکھ کا اظہار کریں کم ہے۔ ہمارا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ اپنے محسنوں اور پیاروں کا ہمیشہ کے لئے چلا جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں ہوتا۔ ہمارے پیارے نبی ختم الرسل صلعم اپنے بیٹے کی وفات پر روئے تھے۔ جب رسول اللہ صلعم پر آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی تو رسول اکرمؐ کی جدائی کا سوچ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ روئے تھے۔ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے حضرت یوسفؑ کی جدائی میں اتنا روئے کہ آنکھوں کا نور چلا گیا۔ حضرت مولانا نورالدین صاحب نے اپنے آقا و مولا حضرت محمدؐ کی تقلید میں اپنے بیٹے کی میت کو چوما اور روئے۔ حضرت مسیح موعود نے اپنے بیٹے کی موت پر فرمایا:

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا۔
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر۔

حضرت ڈاکٹر صاحب بھی جو غریب طبع، باحیا، نیک اندرون، پرہیزگار، پاک شکل اور پاک خو تھے ہمیں غم زدہ بنا کر ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ ہمیں بھی آنحضرت صلعم کی پیروی میں آنکھوں کے اشکبار اور دل کے غمزدہ ہونے کے باوجود یہی کہنا ہے کہ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی نسخہ کیمیا ہے جو زخمی دل کو سکون اور آرام بخشتا ہے۔ حضرت اقدس کی تقلید کرتے ہوئے صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ جیسا آپ فرماتے ہیں۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پر اے دل تو جاں فدا کر

کیا کیا جائے یہی نظام الٰہی ہے اس کے سامنے ہم سب مجبور اور بے بس ہیں کیونکہ

چل نہیں سکتی کسی کی کچھ قضا کے سامنے

ہم اپنے محسن عظیم، انسانیت اور شرافت کے پیکر کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند فرمائے۔ آپ کی روح پر فتوح پر بے حساب رحمتیں نازل فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین ثم آمین۔

اے گل چیں اجل تجھ سے کیا نادانی ہوئی
پھول وہ توڑا کہ گلشن بھر میں ویرانی ہوئی

طوالت کے ڈر سے اپنے مضمون کو ان آیات پر ختم کرتا ہوں۔ سورۃ آل عمران ۱۶۹ "وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ مت خیال کرو۔ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔"

رسول اللہؐ سے پوچھا گیا کہ شہید کون ہے، تو آپ نے فرمایا .... اور وہ بھی شہید ہے جو اللہ کے راستے میں جنگ کرتا ہوا مارا جائے اور وہ بھی جو خدا کے رستہ میں کام کرتا ہوا مارا جائے خواہ وہ موت طبعی موت ہو۔ حضرت ڈاکٹر صاحب کی زندگی پر نظر ڈالیں تو آپ نے **و جاھدھم بہ جھادا کبیرا** یعنی قرآن کی خدمت کرتے، ان کے تراجم کرواتے، اور بلاد غیر میں پہنچاتے ہوئے جان جان آفرین کے حوالے کر دی اور یوں زندہ جاوید ہو گئے۔ بقول سبحانہ تعالیٰ

"وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جان پیش کریں یہ مت سمجھو کہ وہ مر گئے ہیں بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں تم ہی موت اور زندگی کے اس راز سے واقف نہیں" (البقرہ ۲:۱۵۰)۔

خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم

راجہ ذوق اختر خان

خان بہادر صاحب کے جد امجد حافظ محمد سعید صاحب ولی اللہ تھے اور اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ ہزاروں لوگ آپ کے معتقد تھے جن میں امراء اور نواب بھی شامل تھے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان انہی مشہور بزرگ کے بڑے بیٹے مولوی محمد یحییٰ کے فرزند تھے جو مجدد آخر زمان کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے احمدی ہو چکے تھے' اس طرح خان بہادر صاحب پیدائشی احمدی تھے۔

ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ڈاکٹری کی تعلیم مکمل کر کے صوبہ سرحد کے محکمہ صحت میں ملازم ہو گئے اور مختلف مقامات پر تعینات ہوتے رہے۔ تعلیم کے دوران آپ تپ دق کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے مگر جلد ہی صحت یاب ہو کر تعلیم مکمل کر لی۔ بعدازاں ملازمت کے دوران اس بیماری نے دوبارہ حملہ کیا اور آپ کو مدراس جا کر علاج کروانا پڑا جہاں سے آپ ۱۹۳۹ء میں صحتیاب ہو کر آئے۔ اسی دوران آپ نے وہاں اس مرض کے علاج کی تربیت حاصل کی اور واپسی پر نئے ٹی بی سینیٹوریم کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے اور تقریباً پچیس سال تک وہاں رہ کر ہزاروں مریضوں کا علاج کیا۔

ڈاڈر کا ہر سنگریزہ ڈاکٹر سعید احمد خان کی یاد اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت سے اس خاندان کو وافر حصہ عطا فرمایا۔ اس لئے آپ کے ہاتھ میں شفا رکھی گئی آپ کے مریضوں کا سلسلہ ہندوستان اور بیرون ہندوستان تک پھیلا ہوا تھا۔ ۱۹۵۱ء میں شاہ سعود حافظ حرمین شریف جب بیمار ہوئے تو پاکستان کے گورنر جنرل غلام محمد صاحب سے کسی لائق ڈاکٹر کی فرمائش کی گئی تو حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کا نام تجویز ہوا اور آپ عازم سعودیہ عرب ہوئے وہاں جب بادشاہ روبصحت ہوئے تو خواہش ظاہر کی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف وہاں ہی رہائش پذیر ہوں لیکن ڈاکٹر صاحب موصوف نے جلالتہ الملک سے عرض کی کہ سینکڑوں بیمار میرے انتظار میں موت و حیات کی کشمکش میں وقت گذار رہے ہیں اگر ان مریضوں کا خیال نہ ہوتا تو میں آپ کی پیشکش کو ضرور قبول کرتا۔

شاہ سعود نے مختلف تحائف کے علاوہ ایک گولڈن گھڑی دی جو تاحال آپ کے خاندان میں موجود ہے۔ حکومت برطانیہ نے آپ کی طبی اور انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے خان بہادر کے خطاب سے نوازا۔ اس وقت تک تحصیل مانسہرہ میں صرف تین یا چار خان بہادر تھے۔ مرحوم کی انتظامی صلاحیتوں کی وجہ سے ڈاڈر جیسے دور افتادہ علاقہ کو انتظامی لحاظ سے صوبائی سطح پر نمایاں حیثیت حاصل ہو گئی اسی کے پیش نظر ڈائریکٹر ریڈیو پشاور نے آپ کو ٹی بی پر تقریر کرنے کی دعوت دی اور آپ نے پشتو زبان میں کئی مرتبہ نہایت تفصیل سے تپ دق کی علامات اور اس سے بچنے کے طریق ایسے دل نواز انداز میں بیان کئے کہ ہر سننے والا متاثر ہوا اور اس تقریر کے پمفلٹ پشتو اور اردو میں چھپ کر صوبہ بھر میں تقسیم ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے ڈاڈر میں سب سے پہلے مسجد تعمیر کرائی اور اس کے بعد تمام سٹاف کو نماز باجماعت کا عادی کیا جس کی بنا پر ڈاڈر کی حدود میں انگریزوں کی موجودگی میں ہی پاکستان بن گیا۔ ڈاڈر کا سپرنٹنڈنٹ بطور امام خود جماعت کی امامت فرماتا اور نماز مغرب کے بعد درس قرآن و حدیث ہوتا اور یہ سلسلہ نماز عشاء پر اختتام پذیر ہوتا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کا حسن اخلاق ایسا اعلیٰ تھا جو دشمنوں کو بھی

موصوف کروڑ پتی ہیں۔ لیکن حقیقت میں حلال روزی میں اللہ تعالیٰ نے بڑی برکت ڈالی تھی۔ آمدن سے اخراجات کچھ زیادہ ہی تھے لیکن توکل کا یہ سفینہ چلتا رہا۔ ایک دفعہ ایبٹ آباد میں اپنے کلینک کے لئے ایکسرے مشین کی ضرورت پڑی تو چھ ہزار روپے ایک دوست سے قرض لیا لیکن یہ بات رازداری میں رہی۔ اسی طرح جب پہلی دفعہ ڈاڈر سے بحیثیت ڈائریکٹر صحت پشاور تشریف لے گئے تو سروس ہوٹل میں ٹھہرے۔ ان کی گاڑی پرانی تھی تو میں نے اپنی نئی گاڑی میں انہیں پشاور پہنچایا۔ وہاں پہنچ کر مجھے بہت زیادہ بخار ہو گیا اور مجھے ہوش نہ رہا اور کئی گھنٹوں کے بعد رات کو مجھے ہوش آیا تو خان بہادر صاحب کا ہاتھ میری نبض پر تھا۔

میری پیشانی چومی اور فرمایا کہ تمہارا بخار ٹوٹ گیا ہے۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور باتھ روم کے لئے اٹھا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ میرے سلیپران کے ہاتھ میں ہیں۔ میں تو یکلخت اٹھا فوراً ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا آپ میرے باپ کی جگہ ہیں یہ آپ نے کیا کیا۔ فرمانے لگے آپ نے کل بہت تکلیف اٹھائی ہے میں تین دن ان کے پاس رہا۔

خان بہادر صاحب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے افراد میں سے تھے جو ہر طرح سے حضور صلعم کی پیروی کرتے تھے۔ بحیثیت خاوند' بحیثیت باپ' بحیثیت رشتہ دار اور بحیثیت دوست آپ حضور صلعم کی پیروی میں بے مثال تھے۔ اور یہ سب کچھ اعجاز تھا نبی کریم کے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہونے کا۔

آخری باب ماسٹر اصغر علی صاحب کی یاد میں

یوں تو جناب ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب جس سے بھی گفتگو کرتے یوں محسوس ہوتا کہ گل افشانی ہو رہی ہے۔ اس لئے کہ ملنے والے بشمول میرے گفتگو میں احتیاط برتتے تھے کہ کہیں مبالغہ آمیزی' نفس پرستی اور خوشامد کا شائبہ نہ ہو۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ماسٹر اصغر علی صاحب بھی ایسے احباب میں شامل تھے جو خان بہادر صاحب کے لئے احترام اور محبت کا جذبہ رکھتے تھے۔ ماسٹر صاحب موصوف پہلے بحیثیت مریض ڈاڈر سینٹوریم میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب کی خاص توجہ اور دلنوازی سے ماسٹر صاحب ان کے گرویدہ ہو گئے اور جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں شفائے تام بخشی تو پھر خان بہادر صاحب کے ساتھ اور نزدیک ہوتے گئے اور ایسا اظہار کیا کہ میں اب ڈیرہ اسمٰعیل خان نہیں جانا چاہتا۔ خواہش ہے کہ یہیں رہوں۔ پھر خان بہادر صاحب نے اپنی اکلوتی بھانجی کا رشتہ ماسٹر صاحب سے کر دیا۔ ماسٹر صاحب عرصہ ہوا وفات پا چکے ہیں لیکن انوار احمد صاحب کو خان بہادر صاحب کی خدمت میں چھوڑ گئے۔ جو تا زیست بیٹوں سے زیادہ خدمت گذار رہے اور ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو ان کے محبوب بزرگ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب ہمیشہ کے لئے الوداع کہہ گئے **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔

چھین لے وہ ہم سے تیری یاد یہ ممکن نہیں

ملک سعید احمد۔ لاہور

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں این قصہ پارینہ را

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان اب ہم میں نہیں لیکن ان کی یاد ہمیشہ دلوں کو تڑپاتی رہے گی

چارہ دل اب سوائے صبر نہیں
سو وہ اب مدت سے نہیں آتا
مجھ کو سجدے میں گرا دیتا ہے میرا اضطراب
مطمئن ہو جاؤں گر میں تو دعا کیسے کروں
موت نے چھینا ہے ہم سے جسم خاکی بالیقین
چھین لے وہ ہم سے تری یاد یہ ممکن نہیں

اگرچہ کچھ عرصہ سے آپ بیمار چلے آتے تھے لیکن یہ خیال نہیں تھا کہ اب وہ جلد ہی ہمیں داغ مفارقت دینے والے ہیں ۹۷-۱۱-۱۶ کی صبح روزنامہ جنگ کے آخری صفحہ پر ان کی روح فرسا وفات کی خبر نے میری ساری توانائی چھین لی۔ صبح ۹ بجے دار السلام پہنچ گیا اور سارا دن ان کی جدائی کے غم میں بلکتے ہوئے گزرا۔ بالآخر حضرت مسیح موعود کی یہ آخری نشانی ہماری آہ و بکا میں منوں مٹی کے نیچے دفن کردی گئی اور میں بے نیل و مرام اپنے گھر لوٹ آیا۔ مجھے امید ہے کہ کوئی مجھ سے زیادہ واقف اور حضرت کا کوئی مجھ سے بہتر عاشق اور اس پاک ہستی پر اہم مضمون لکھ کر ہم سب بلکہ ساری جماعت کی ترجمانی کر سکے گا۔

حضرت بانی سلسلہ نے خدا تعالیٰ کی شکر گزاری کے عنوان سے اپنے بچوں کے قرآن کریم ختم کرنے پر جو آمین درثمین کے صفحہ ۵۲ پر ۱۹۰۱ء میں لکھی ہے وہ ہماری نہیں ساری اسلامی دنیا کے لئے ایک ایسا ایمان افروز اور بدخواہوں کے منہ کو ہمیشہ کے لئے بند کرنے کے لئے کافی ہے جو آئے دن آپ پر نبیؑ کا دعویٰ کرنے کا ناپاک الزام لگاتے ہیں۔ یہ بار بار پڑھنے کے لائق ہے آیئے آپ بھی لطف اندوز ہوں۔

مسیح وقت اب دنیا میں آیا
خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا
مبارک وہ جو اب ایمان لایا
صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا
وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی
سبحان الذی اخزی الاعادی

دیکھا آپ نے صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا' یہ تھا اس مقدس بانی کا ایمان اور عقیدہ یعنی وہ اپنا مقام کیا بتلا رہے ہیں اور ان کے دشمن لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کی غرض سے غلط اور ناپاک الزامات کو عوام میں پھیلا رہے ہیں۔

حضرت امیر مرحوم اب ہمارے پاس وہ آخری نشانی تھے جنہوں نے حضرت اقدس کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دیا اور ان سے روحانی فیض پایا۔ حضرت امیر مرحوم سے دلی محبت اور عقیدت نے مجھے مجبور کیا کہ احباب کی خدمت میں چند باتیں عرض کروں کہ حضرت امیر مرحوم کس بلند پایہ ہستی کے مالک تھے اور کس طرح ہزاروں لاکھوں لوگ ان کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ حضرت بانی سلسلہ کے مبارک ہاتھوں میں ہاتھ دینے والے جن سعادت مندوں نے دل کی گہرائیوں سے اور پورے اخلاص سے آپ کے قدموں میں سر رکھا اس دنیا میں بھی عزت و وقار کے بلند ترین مقامات پر پہنچ گئے حسب استطاعت اس دنیا میں سیم و زر سے نوازے گئے اگلی زندگی میں تو یقیناً

الحمدللہ

پروفیسر اعجاز احمد

پاکستان کے شمال مغربی صوبہ سرحد کے ضلع مانسہرہ میں ایک خوبصورت پہاڑی گاؤں دیب گراں ہے۔ یہاں ایک بڑی ولی اللہ شخصیت مدفون ہیں جن کا نام محمد سعید تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے' ایک کا نام محمد یحیٰی اور دوسرے کا نام محمد یعقوب تھا۔ انہوں نے بعد میں حکمت کا پیشہ اپنایا اور حکیم کہلائے۔ یہ دونوں بزرگ اپنے والد مکرم کی طرح انتہائی نیک اور متقی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب الہام و کشف بھی تھے۔

جب اس زمانے کے مجدد اعظم حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے دعویٰ کیا اور مختلف سعید روحوں کو تبلیغی خطوط لکھے اور لٹریچر بھیجا' ان میں حکیم محمد یحیٰی بھی تھے۔ انہیں حضرت اقدس نے اپنی کتب "آئینہ کمالات اسلام" اور "حمامتہ البشریٰ" کے پیکٹ پر اپنے ہاتھ سے لکھا **یایحی خذ الکتب بالقوۃ** (یعنی اے یحیٰی اس کتاب کو مضبوطی سے پکڑ)۔ اس سے پہلے ان کے والد محمد سعید صاحب نے حکما" یحیٰی صاحب سے انگوٹھی بنوائی اور اس پر یہی آیت لکھوائی۔

بعد میں چھوٹے بھائی حکیم محمد یعقوب نے بھی احمدیت قبول کر لی۔ بس پھر کیا تھا دیب گراں' ہزارہ **مدینۃ الاحمدیت** بن گیا۔ حضرت اقدس کے روحانی تصرف اور ان بزرگوں کے تقویٰ کی وجہ سے گاؤں کی کافی آبادی نے احمدیت قبول کر لی۔ اس اثر کے تحت مختلف گاؤں جیسے داتہ' کچھی وغیرہ سیٹلائٹ بنے۔ بعد میں ان دو بھائیوں کے ساتھ ساتھ سعید احمد صاحب نے انصار کا بخوبی کردار ادا کیا۔ کیونکہ اس علاقہ میں جتنے لوگوں کو احمدیت یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنی پڑی تو یہ بزرگ انہیں نہ صرف مکان مہیا کرتے بلکہ ان کے بچوں بچیوں کی تعلیم یا ملازمت کا بھی انتظام کرتے۔ آپ کے چچا یعقوب صاحب تو تعلیم کے حد درجہ شوقین تھے۔ ان بزرگوں کے حالات یاد رفتگان حصہ اول میں موجود ہیں۔ احباب کے ایمان میں اضافہ کی غرض سے حکیم محمد یعقوب صاحب کا ایک واقعہ اختصار سے بیان کرتا ہوں۔

حکیم محمد یعقوب صاحب نہایت رقیق القلب تھے۔ نمازوں میں خاص کر تہجد کی نماز میں بہت رویا کرتے تھے۔ اسے دیکھ کر حضرت اقدسؑ بھی متاثر ہوئے۔ آپ نے حکیم صاحب سے فرمایا کہ نواب بھی تمہاری جوتیاں سیدھی کرنے کو اپنی عزت سمجھیں گے۔ چنانچہ اس کے کچھ عرصہ بعد ریاست امب کے دربار میں حکیم صاحب تشریف لے گئے۔ جا کر دربار میں بیٹھ گئے تو نواب صاحب نے آپ کو دربار سے اٹھا کر اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔ پھر جب آپ دربار سے باہر جانے لگے تو نواب صاحب نے واقعتاً آپ کی گرد آلود جوتیاں اپنے ہاتھ سے سیدھی کر کے آپ کے سامنے رکھیں۔ حضرت مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کے پورا ہونے پر حکیم محمد یعقوب صاحب رو پڑے۔ پوچھنے پر نواب صاحب کو ساری بات بتائی تو وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور انہوں نے اس وقت اچھی خاصی رقم انجمن کو چندہ کے لئے دی۔

ان بزرگوں کو اللہ تعالیٰ نے نہایت ہی نیک اور صالح اولاد بخشی۔ حکیم محمد یحیٰی صاحب کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ تھے۔ صاحبزادی کا نام نور جہاں تھا جبکہ صاحبزادہ کا نام حضرت اقدس نے سعید احمد رکھا تھا۔ سعید احمد کو بچپن ہی سے انتہائی پاکیزہ ماحول میسر آیا۔ اس لئے آپ عام دنیاوی آلائشوں سے محفوظ رہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس بچے سعید احمد کو دو نہایت ہی مقتدر ہستیوں یعنی والد اور چچا کی نیم شب دعاؤں سے بہت حصہ ملا۔ یہ دونوں کے نور نظر تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ انہیں آٹھ سال کی عمر میں حضرت اقدس کے ہاتھ پر بہ نفس نفیس قادیان جا کر بیعت کرنے کا بھی شرف حاصل ہوا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں کھانا کھانے کا بھی

نیچے ایک کمرہ تھا جہاں اکثر دور سے آنے والے مریضوں کو کھانا کھلایا جاتا۔ اس کے علاوہ مذہبی مصروفیات جاری رہیں۔ نماز و درس کا سلسلہ چلتا رہا۔ ۱۹۶۲ء تک ایبٹ آباد میں شیخ محمد احمد صاحب مرحوم کے گھر احمدی احباب نماز پڑھا کرتے۔ پھر آپ نے اپنی رہائش گاہ سے ملحق زمین کا ایک ٹکڑا مسجد کے لئے وقف کر دیا۔ پہلے نچلا حصہ بنوایا۔ بعد میں ذاتی کاوش' احباب کے چندے اور مرکزی انجمن کی اعانت سے اوپر والا حصہ بمع مہمان خانہ تعمیر کروایا۔ جن احباب نے یہ مسجد دیکھی ہے وہ اس کی خوبصورتی کے معترف ہیں۔ آپ کا وجود اور یہ جامع ضلع ہزارہ میں احمدیت کا مرکز بن گیا۔ بلکہ اس مسجد نے جماعت کے Summer Campus کا بھی کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب نے پہلے پہل گرمیوں کی چھٹیوں میں حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی اجازت سے تربیتی کلاس کا انعقاد ایبٹ آباد میں کیا۔ اس تربیتی کلاس کو بڑا سراہا گیا اور جماعت کے بڑے بڑے بزرگ جیسے حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب' ڈاکٹر اللہ بخش صاحب' محترم نصیر احمد فاروقی صاحب' مرزا مسعود بیگ صاحب اور پروفیسر خلیل الرحمان صاحب نے اس تربیتی کورس میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اب جناب ناصر احمد صاحب کی نگرانی میں یہ کلاس ایک باقاعدہ کورس کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

۱۱ جون ۱۹۷۴ء تک یہ رونقیں جاری رہیں۔ پھر ۱۱ جون ۱۹۷۴ء کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔ جس میں ایبٹ آباد اور ہزارہ کے احمدیوں کے لئے بڑا کٹھن امتحان تھا۔ صرف ایبٹ آباد ہی میں احمدی احباب کے میڈیکل سٹور جلانے کے لئے پوری کی پوری جمال بلڈنگ کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ اس کے علاوہ ایک احمدی بھٹی صاحب کے گھر ہجوم نے حملہ کر کے انہیں شہید کرنے کے بعد سرعام میت کی بے حرمتی کی۔ جبکہ بھٹی صاحب کے صاحبزادے شدید زخمی ہوئے۔ ان ہزارہا بلوائیوں کا اصل نشانہ ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب تھے۔ ہزاروں شریر جو بندوقوں' سٹین گنوں اور دیگر اسلحہ سے لیس تھے' نے آپ کے کلینک وغیرہ جلانے کے بعد آپ کے گھر کا بالائی حصہ بھی جلا دیا۔ اس دوران خدا کی شان کہ صرف آپ کے داماد فیروز عالم صاحب گولی لگنے سے زخمی ہوئے۔ جبکہ انوار احمد صاحب اور آپ کی ملازمہ سرور جان ماسی کو بھی چھرے لگے۔ باقی اللہ کی حفاظت رہی آگ اور سینکڑوں بندوقوں کے گھیرے کے باوجود کسی کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔ اس سارے اثناء میں ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی توجہ مسجد کی طرف ہی رہی اور بار بار اونچی آواز میں دعا کرتے یااللہ اپنے گھر (مسجد) کو محفوظ رکھنا اور اللہ نے اپنی بے پایاں قدرت سے نہ صرف اپنے گھر بلکہ اس میں عبادت کرنے والے سب کو محفوظ رکھا اور اس طرح سے سید اسداللہ شاہ صاحب کا آپ کے متعلق الہام "ہم نے تجھے اور تیرے اہل کو آگ سے نجات دی" پورا ہوا۔ ایک اور بڑا خوبصورت اتفاق کہ آپ کے ساتھیوں کی تعداد ۷۲ تھی جو کہ حضرت امام حسین کے نہتے ساتھیوں کے برابر تھی۔

اس کے بعد جماعت کے بزرگوں کے بار بار اصرار پر آپ نے لاہور میں مرکزی انجمن میں کام شروع کیا اور آپ کو انجمن میں سینئر نائب صدر اور انچارج بلاد غیر چنا گیا۔ اس طرح آپ دارالسلام میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ نے اس پیرانہ سالی میں دوسرے ممالک کے کئی دورے کئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دوروں کو بہت برکت بخشی۔ باہر کے ممالک میں احمدیہ انجمن لاہور کے نام سے جماعتوں کو رجسٹر کروایا۔ جماعتوں کے چھوٹے چھوٹے اختلافات کو ختم کر کے نئی جہت دی۔ لندن میں جماعت کے لئے مرکز کی اشد ضرورت تھی۔ اللہ کے فضل سے آپ نے سعی کی اور اب ایک مرکز وہیلے میں سرگرم عمل ہے۔ یہاں ہم سے مسجدیں چھنتی رہیں یا جلائی گئیں لیکن باہر کے ممالک میں اللہ اکبر کی صدا بلند کرنے کے لئے مسجدیں قائم ہوتی رہیں اور آپ نے بھی بعض مساجد کا افتتاح کیا۔ سرینام کی جامع مسجد فن تعمیر کا خوبصورت نمونہ ہے۔ اسی طرح امریکہ کی جماعت کو متحرک کیا جو کہ اب حضرت اقدس کے مشن کو آگے بڑھانے میں کوشاں ہے۔ احمدیہ لٹریچر اور قرآن پاک کا ترجمہ مختلف زبانوں میں کروا کر پھیلایا جا رہا ہے۔ انہیں آپ کی براہ راست سرپرستی آخر وقت تک حاصل رہی اور اللہ کے فضل سے ہسپانوی' فرانسیسی' روسی اور جرمن زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم ہو چکے ہیں۔ مزید کئی تراجم کے لئے سعی جاری ہے۔ اللہ اس کام میں بہت برکت ڈالے۔ آمین!

نومبر ۱۹۸۲ء میں حضرت امیر مولانا صدرالدین صاحب کی وفات

چاہتے ہیں کہ آپ کی حفاظت کا خاطر خواہ انتظام کیا جائے اور آپ کے لئے خدام کے گارڈ پہرہ دیا کریں۔ اس پر حضرت امیرؒ نہایت پُرسکون انداز میں مسکرائے اور فرمایا آپ کا بہت بہت شکریہ۔ ہمارے لئے اللہ کی ہی حفاظت کافی ہے۔ (اور یہ بات ریکارڈ میں رہے کہ ہمارے کسی بھی امیر کا کبھی کوئی گارڈ نہیں رہا۔ سوائے اللہ کے) خیر بعد میں کسی موقع پر پتہ چلا کہ انہیں دنوں حضرت امیر نے رویا دیکھا تھا کہ ان کے گھر کے ساتھ گراونڈ میں ایک کشتی ہے۔ جو مانند کشتی نوح ہے۔ جو کوئی اس میں سوار ہو گا وہ محفوظ رہے گا۔ یہ کشتی دراصل احمدیت کی کشتی تھی۔

ایک دفعہ آپؒ نے رویا دیکھی کہ آپ دارالسلام میں سیکرٹری ہاؤس کی مسجد والی طرف کھڑے ہیں اور آپ کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی کھڑے ہیں۔ کسی جلسہ کا موقع ہے اور لوگ جوق در جوق آتے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ہجوم اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کھڑے کھڑے سارے ہجوم کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ تب آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سیکرٹری ہاؤس کی چھت پر کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ آنے والے لوگوں کو دیکھ سکیں۔ (اللہ وہ دن دکھلائے کہ یہ جماعت واقعتاً مخلص اور سعید روحوں میں اتنی ترقی کرے۔ آمین)۔ اسی طرح کا ایک الہام سید اسد اللہ شاہ صاحب کا بھی ہے۔ **فی دین اللہ افواجا**

وفات سے کچھ ہفتہ پہلے رویا دیکھی کہ دنیا میں ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔ تب آپ کو بتلایا گیا کہ ہم نے دارالسلام کو تیری برکت سے آگ سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔

حضرت سید اسد اللہ شاہ صاحب مرحوم و مغفور کو بہت کثرت سے الہامات و کشوف ہوا کرتے تھے۔ جن کو شاہ صاحب سنا دیتے تھے لیکن لکھ کر ریکارڈ نہ رکھتے تھے۔ اس پر حضرت امیر جان جیؒ نے بہ اصرار ان سے الہامات لکھنے کی درخواست کی۔ تب سے شاہ صاحب کی وفات تک فقط کچھ سالوں میں شاہ صاحب کے الہامات کی تین کاپیاں بن گئیں۔ حضرت شاہ صاحب کے حضرت امیر سوم کے متعلق بھی مختلف الہامات ہیں۔ شاہ صاحب نے حضرت امیر کی وفات سے قریباً ۴۰ برس پہلے وفات پائی۔ شاہ صاحب کے الہام میں حضرت امیر سومؒ کی عمر ۹۷ سال بتائی گئی تھی اور آپ اس الہام کے مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔

میں تو **الحمد للہ** ہی کہوں گا۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں حضرت امیر سومؒ جیسی نعمت کو کتنے لمبے عرصہ تک ہمیں دے رکھا۔ یہ محض مولا کریم کا فضل ہے کہ ایک ایسی ہستی کی صحبت کا فیض پانا ہمیں میسر آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی عظیم ہستیاں کبھی کبھی دنیا کو ملتی ہیں۔ میں تو ایک دنیادار آدمی تھا بلکہ اب بھی ہوں۔ لیکن حضرت امیر کی پُرشفقت شخصیت نے غیر محسوس طریقہ سے مجھے دین کے رستہ پر ڈال دیا۔ اگر میں اس کا حق نہ ادا کر سکوں تو یہ میری سستی اور کاہلی ہو گی۔ میں ایسے کئی اور خواتین و احباب کو جانتا ہوں جن کی زندگی میں حضرت امیر نے احمدیت کا جوش اور ولولہ بھر دیا۔ اللہ ہمیں حضرت مسیح موعود کے نقش قدم پر چل کر دین اسلام کو دنیا کے کونے کونے میں پہنچانے کی توفیق عطا کرے اور حضرت امیر کے درجات کو بلند سے بلند تر ہی کرتا جائے۔ آمین!

میں پھر **الحمد للہ** کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت پر ایک دفعہ پھر اپنا بڑا کرم کیا کہ حضرت امیر ڈاکٹر اصغر حمید صاحب جیسے نیک متقی درویش صفت شخص کو ہمارا امیر بنایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت' تندرستی اور جذبہ اور ولولہ سے بھرپور لمبی زندگی عطا کرے اور جماعت کو اتحاد و یگانگت کے ساتھ دین اسلام پر عمل کرنے اور پھیلانے کی توفیق دے۔ **ماتوفیقی الا باللہ**۔ آمین! ثم آمین!!

صاحب کے گھر میں رہتی تھیں ان کی خبر پوچھنے کے لئے میں حضرت مسیح موعود کے گھر میں گیا۔ جب میں داخل ہوا تو حضرت مسیح موعود اپنی بیگم صاحبہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بلایا اور چاول کھانے کو دیئے۔ ان چاولوں میں وہ لذت تھی کہ مجھے اس طرح کے چاول اس کے بعد کبھی نصیب نہیں ہوئے۔ یعنی وہ ذائقہ اور لذت مجھے نہ ملی۔"

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کا حضرت مسیح موعود سے عشق اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے اور پھر اس غلام زادہ نے اپنی غلامی کا حق اس طرح ادا کیا کہ آپ نے ایک دنیا کی مسیحائی کی اور ایسا مسیحا جس کے ہاتھوں سے نہ صرف جسمانی بیمار تندرست ہوئے بلکہ روحانی بیماروں کو بھی شفا نصیب ہوئی۔ ان کی انہی صفات کو دیکھتے ہوئے "جلتے بجھتے دیپ" کی مصنفہ آنسہ بلقیس یہ لکھنے پر مجبور ہو گئی۔

کہ اے اللہ یہ تو نے ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی صورت میں فرشتہ کہاں سے اتارا ہے۔

حضرت امیر (مرحوم) کی شخصیت ہزارہ میں احمدیت کا ایک روشن مینار تھی اور بے شمار لوگ آپ کے نمونہ کو دیکھ کر احمدی ہوئے۔ ربوہ جماعت کے کچھ نوجوانوں کو علم ہوا کہ ہزارہ کے ایک گاؤں میں ایک بوڑھا آدمی ہے جو کہ اپنے آپ کو احمدی کہتا ہے۔ وہ اس کے پاس گئے اس سے پوچھا کہ کیوں احمدی ہوئے؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے یہ نہیں معلوم کہ احمدی کون ہوتا ہے مگر چونکہ ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب احمدی ہیں اس لئے میں بھی احمدی ہوں۔ کیا انسان تھے! ہمارے امیر مرحوم نے اپنے نمونے سے اپنے عمل سے ایک انسان کو احمدی کہنے پر مجبور کر دیا۔

بے شمار انسان ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں اپنی خاطر جیتے اور اپنی خاطر سوچتے ہیں مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو دوسروں کی خاطر جیتے اور دوسروں کی خاطر کام کرتے ہیں۔ ہمارے امیر مرحوم کا شمار ان دوسرے لوگوں کی صف میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی لوگوں کی مسیحائی کرتے اور جماعت احمدیہ کی خدمت کرتے گزر گئی۔ آپ نے جماعت احمدیہ لاہور کی ناؤ کو اس وقت سنبھالا دیا جب اس ملک عزیز میں احمدیوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور مسیح موعود کی جماعت کو اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ اب وہ بھنور میں نہیں بلکہ کنارے تک پہنچ چکی ہے۔

حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی نوجوانوں اور بچوں سے محبت اس قدر تھی کہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جسے وہ پیار کر رہے ہیں وہی انہیں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ ہر شخص دل میں یہی سوچتا تھا کہ وہ اسے سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ شام کے وقت سیر کے وقت دارالسلام کے بچوں اور نوجوانوں سے چلتے چلتے مصافحہ فرماتے اور کوئی نہ کوئی نصیحت آموز بات بھی کہہ دیتے تھے۔ قرآن مجید سے آپ کو اتنا عشق تھا کہ آخری وقت تک آپ قرآن مجید کی تلاوت سنا کرتے تھے۔ جب آپ بہت کمزور تھے اس وقت قاضی عبدالاحد صاحب ان کو قرآن مجید سناتے تھے اور میں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جو لفظ انہیں سمجھ نہیں آتا تھا وہ اس لفظ کو دوہرانے کو کہتے تھے اور جب تک سمجھ نہ لیتے تھے اس وقت تک آگے نہ بڑھنے دیتے تھے۔ الغرض حضرت امیر مرحوم کی جتنی صفات بھی بیان کی جائیں وہ کم ہیں۔

جیتے جی قدر بشر کی نہیں ہوتی یارو
یاد آئیں گے تمہیں میرے سخن میرے بعد

ہائے افسوس کہ وہ دیپ جو کہ دیپ گراں سے روشن ہوا تھا وہ اپنی روشنی کی کرنیں بکھیرتا ہوا انسانیت کو علم کی روشنی سے منور کرتا ہوا' لوگوں کی دکھ بھری زندگیوں میں خوشیاں بانٹتا ہوا' انہیں مایوسیوں کی دلدل سے نکال کر امید کی کرنیں دکھاتا ہوا' دلوں میں دین کی لگن پیدا کرتا ہوا دارالسلام کی بستی میں بجھ گیا۔

مگر نہیں ایسا ہرگز نہیں وہ انسان تو مر کر بھی زندہ ہو گیا کیونکہ ایسی عظیم ہستیاں مرتی نہیں امر ہو جاتی ہیں۔ ان کی دی ہوئی سوچ' ان کے افکار' ان کا پیغام وہ تو زندہ اور قائم ہے اور اسی پیغام کے ساتھ وہ بھی زندہ ہیں۔ ہاں مگر ہم شعور نہیں رکھتے۔ اے اللہ تو ہمارے پیارے حضرت امیر مرحوم کو ان لوگوں میں داخل کر جن کے بارے میں تیرا اپنا وعدہ ہے **اولئک هم المفلحون** (آمین)۔

حاصل کیا۔ وہ خود بھی مجھ حقیر پر تقصیر سے بہت پیار فرماتے تھے۔ عندالملاقات گھر والوں، عزیز و اقارب اور جماعت بدو ملہی کے احباب کے متعلق فرداً فرداً اور اجتماعی طور پر استفسار فرماتے اور اکثر ملتے جلتے رہنے کی تلقین فرماتے۔

لاہور تبدیل ہو کر آنے کے بعد بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ میں ملاقات کے وقت ان سے دعائے خیر کی درخواست کرتا تو وہ بھی دعا کے وعدہ کے ساتھ اپنے لئے دعا کرنے کو فرماتے۔ اگرچہ میں نے کبھی اپنے آپ کو اس مقام پر نہیں سمجھا۔ ان کے برادر نسبتی و عم زاد عبدالغفور ثاقب صاحب اور ان کے بیٹوں بریگیڈیر محمد سعید صاحب اور ڈاکٹر عبدالکریم پاشا صاحب سے ان کے طالب علمی کے زمانے سے گہرا تعلق قائم ہوا جو اب تک برقرار ہے۔ آئندہ بھی تادم مرگ انشاء اللہ قائم رہے گا۔ حضرت امیر مرحوم کے وفات حسرت آیات پر ان کے لواحقین کے صدمے میں اپنے آپ کو ذہنی اور قلبی طور پر شریک سمجھتا ہوں۔ تازیست ان کے بلندی درجات کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور دست بدعا رہوں گا۔

ان کی وفات حسرت آیات نہ صرف ان کے اہل خاندان بلکہ جماعت کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ خدا تعالیٰ سبحانہ سے دعا ہے کہ خدا ان کو کروٹ کروٹ آرام و سکون عطا فرمائے اور ہر لمحہ ان کے درجات بلند کرتا رہے۔ ان کو اپنے پیشرو ساتھیوں کی معیت عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے اور حق کا ساتھ دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ہمیں اور خاص کر ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مجبور کرتا رہتا ہے۔ اس لئے جب انسان حد سے تجاوز کرتا ہے تو زیادہ کھانا پینا' جنسی آسودگی اور اقتدار بجائے خوشی کے غم و اندوہ کا موجب ہو جاتے ہیں۔ دوسرا نفس جسے ضمیر کہتے ہیں انسان کو برائی سے روکنے اور برائی پر ملامت کرنے والا ہے۔ اس لئے اسے نفس لوامہ کہتے ہیں اس سے انسان کو برائی پر ندامت اور شرمندگی ہوتی ہے۔ وہ توبہ کرتا ہے اور اگر ضمیر کی گرفت انسان پر مضبوط ہو جائے تو نفس امارہ کمزور ہو جاتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ نفس کی اعلیٰ ترین اور ترقی یافتہ منزل پر پہنچ جاتا ہے جسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور یہی تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے جس پر اسے کہا گیا ہے **فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** "میرے بندوں میں داخل ہو جاؤ اور میری جنت میں داخل ہو جاؤ۔" اسلام میں یہی حقیقی مسرت کا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ انسان کو پہنچانا چاہتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان جسم اور روح سے مرکب ہے۔ انسانی روح بھی جسم کے ساتھ ساتھ بڑھتی اور ترقی کرتی ہے۔ جسم تو موت کے ساتھ گل سڑ جاتا ہے لیکن روح زندہ رہتی ہے اور اللہ کے پاس ایک دوسرے جہان میں جسے اللہ نے اس کے لئے تیار کیا ہے چلی جاتی ہے۔ ہمیں ان آنکھوں سے وہ جہان نظر نہیں آتا لیکن قرآن کریم میں جگہ جگہ مثالوں کے ذریعے بڑے لطیف پیرائے میں اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ روح کی شکل و صورت وہی ہو گی جو انسان نے اپنی زندگی میں نیک یا بداعمال سے بنائی ہو گی۔ اگر انسان کے اعمال دنیا میں خوبصورت ہوں گے تو روح بھی خوبصورت ہو گی اور اگر اس کے اعمال برے ہوں گے تو روح بھی بدنما اور بدصورت ہو گی۔

اگر انسان چاہتا ہے کہ اس کی روح خوبصورت ہو تو وہ اسی طرح ممکن ہے کہ انسان اس زندگی میں اپنی خواہشات اور ضروریات جسم میں اعتدال اور توازن قائم رکھے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ طریقے بیان فرمائے ہیں جن پر چلنے والے انسان کے لئے ایک بدلہ اور معاوضہ رکھا ہے جس کا نام جنت ہے۔

متلاشیوں کے دل ایک دوسرے کے لئے حسد' کینہ' بغض' نفرت و حقارت' عداوت اور دشمنی اور کدورتوں سے بھرے ہوئے ہیں لیکن جو متقی ہیں ان کے متعلق فرمایا ہے **و نزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقبلین** ہم ان کے دلوں سے کدورتیں نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ انہیں ایک دوسرے سے یہ تخت اور اقتدار چھیننے کی کوئی ہوس نہیں ہو گی۔ ہر ایک اپنے مقام پر مطمئن اور پرسکون ہو گا۔

جو سچے مومن ہیں وہ یہاں بھی اپنے دلوں کو حسد اور بغض جیسی بیماریوں سے پاک رکھتے ہیں۔ وہ کسی کی ترقی پر جلتے ہیں اور نہ کسی کے مال و دولت کی وجہ سے اس سے حسد اور کینہ رکھتے ہیں۔ وہ دوسروں کو آگے بڑھتے ہوئے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اس حالت میں **لا یمسھم فیھا نصب و ما ھم منھا بمخرجین** (۱۵:۴۸) انہیں اس میں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ دنیا کے دیدہ زیب مناظر انسان دیکھتے دیکھتے تھک جاتا ہے لیکن جنت میں کوئی اکتاہٹ یا تھکان نہیں ہو گی۔ انہیں مصروف رکھنے کے لئے وہاں بہت سی چیزیں ہوں گی جو ان کی ترقی مدارج کا سبب ہوں گی۔

اس دنیا میں تو عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ انسان کو جتنی بھی نعمتیں ملیں اسے ان کے چھن جانے کا خطرہ لاحق رہتا ہے انسان سے دولت' صحت' عزت و اقتدار چھن جاتے ہیں۔ عمر ختم ہو جاتی ہے۔ زندگی کے مزے ہمیشہ ساتھ نہیں رہتے۔ سیر سپاٹے کے لئے کسی تفریحی مقام پر جائیں تو وقت ختم ہونے پر نگران کا حکم آ جاتا ہے کہ اب یہاں سے چلے جاؤ۔ لیکن جنت کے متعلق فرمایا کہ جنتیوں کو وہاں سے کوئی نہیں نکالے گا۔

اس کے بعد فرمایا ہے : **نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم** میرے بندوں سے کہہ دو کہ میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں۔ کسی سے خطائیں ہو جائیں تو میں بخش دیتا ہوں مگر اسے چاہئے کہ وہ گناہ پر راضی نہ ہو اور توبہ کرتا رہے تو میری رحمت کے دروازے اس کے لئے کھلے رہتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کر دی ہے کہ **و ان عذابی ھو العذاب الالیم** میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے جو مجھ سے باغی اور سرکش ہو گا پھر اس کے علاج کے لئے ایک ہسپتال ہے جس کا نام دوزخ ہے اور جہاں وہ دکھ اور تکلیف میں ہو گا لیکن یہ سزا اس کی اصلاح کے لئے ہو گی تاکہ وہ اس کے بعد جنت میں جا سکے۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ دوزخ پر ایک ایسا وقت آئے گا کہ وہ بالکل خالی ہو گا۔

میں نے یہ ساری باتیں آپ کے سامنے آپ کو اسلام میں حقیقی

علیھم بسلطن بین ط فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا (۱۸:۱۳-۱۵) یعنی اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔

مسیح وقت کے پیروکار ہونے کی وجہ سے ہمارے سامنے بھی ایک امتحان ہے لیکن یہ امتحان اور مصیبت اصحاب کہف کے امتحان اور مصیبت کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ ہمارے لئے اس ابتلاء اور مصیبت کی گھڑی سے نجات کی یہی موثر صورت ہے کہ ہم اس قرآنی دعا اور دیگر دعاؤں کو کثرت سے پڑھا کریں اور اللہ کے آگے عجز و انکساری کے ساتھ جھکا کریں وہ **رب السموت والارض** ہے جو کوئی اس کی رحمت کا متلاشی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے راہیں کھول دیتا ہے اور اس کا انجام کبھی خراب نہیں ہوتا۔ حق و صداقت کی راہ میں اسے اپنا مال' جان' عزت و آبرو اور جائداد چلے جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ اس دنیا کی چیزوں کو ہیچ سمجھتا ہے اور اپنی آنے والی حقیقی اور ابدی زندگی کو سنوارنے اور نکھارنے کی جدوجہد اور فکر کرتا ہے۔

حضرت امام زماں نے جو مسیح وقت ہیں اپنے ایک شعر میں فرمایا۔

پر مسیحا بن کے میں بھی دیکھتا روئے صلیب
گر نہ ہوتا نام احمدؐ جس پہ میرا سب مدار

چونکہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں اور میرے نام میں حضورؐ کا نام احمدؐ شامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس نام کی برکت سے میری لاج رکھ لی ہے ورنہ میں بھی سولی پہ چڑھا دیا جاتا۔

یہ واقعات ہیں کہ لوگوں نے حضرت مرزا صاحب کو جان سے مار دینے کی کوششیں کیں۔ عیسائی پادریوں نے آپ پر قتل کا مقدمہ بنایا۔ پادریوں کے ساتھ مل کر اور لوگوں نے بھی آپ کے خلاف جھوٹی گواہیاں دیں۔ مقدمہ بھی عیسائی جج کی عدالت میں دائر کیا گیا لیکن یہ لوگ بڑے انصاف پسند ہوئے ہیں۔ جج پر جب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مقدمہ جھوٹا ہے تو اس نے عیسائیوں اور ان کے **حمایتیوں** کے خلاف فیصلہ دے کر حضرت مرزا صاحب کو باعزت طور پر بری کر دیا۔ اس لئے حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے کہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی برکت سے پھانسی سے بچ گیا۔ حضورؐ کے اسم احمدؐ کی برکت اور اس کے صدقے سے میری بریت ہوئی۔

ہمارے عقائد کے خلاف ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے جس طرح اصحاب کہف کے خلاف ان کے مخالفوں کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔ جب دلیل کوئی نہیں تو مخالفت اور دشمنی میں ان کی کوشش یہی ہے کہ ہماری کتابیں اور اخبار نہ چھپیں۔ انہیں کوئی نہ پڑھے۔ ہمارے منہ بند کر دیئے گئے ہیں کہ وہ اپنے ذرائع ابلاغ سے ہمارے خلاف جو کچھ کہیں ہم ان کا جواب نہ دے سکیں اور لوگ یہ سمجھیں کہ ہم واقعی غلطی پر ہیں لیکن اس کے باوجود ہمارا اللہ پر ایمان ہے اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہادی' رہبر اور آخری نبی مانتے ہیں۔ قرآن کریم کو دل و جان سے اللہ کی آخری کتاب مانتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل ایمان اور بھروسہ ہے کیونکہ مومنوں کے ساتھ کئے گئے اس کے وعدے کبھی خطا نہیں جاتے۔

میں اپنے دوستوں کو بڑی تاکید کے ساتھ توجہ دلاتا ہوں کہ وہ قرآنی دعاؤں کو کثرت سے اپنی نمازوں کا حصہ بنائیں اور یہ الہامی اور قرآنی دعا **ربنا و لا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا۔ ربنا و لا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ' واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولنا فانصرنا علی القوم الکفرین** کثرت سے پڑھیں۔

خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ ۱۱ جولائی ۱۹۸۶ء

(بمقام ایبٹ آباد)

یا یھا الذین امنوا کونوا قومین بالقسط شھدآء للہ.... فان اللہ کان بما تعملون خبیرا۔

میں نے سورۃ النساء کی ایک سو پینتیسویں آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو انصاف پر قائم ہونے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے ہو جاؤ گو کسی معاملہ میں یہ گواہی تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ یا قریبیوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ دونوں کا (تمہاری) نسبت زیادہ خیر خواہ ہے۔ سو تم خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ عدل کر سکو۔ اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا (حق) سے اعراض

تعزیتی خطوط اور اظہار عقیدت

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے لئے نذرانہ عقیدت

ڈاکٹر سعید احمد، صدر انجمن احمدیہ، لاہور کا انتقال پر ملال مقامی جماعت، سرینگر کا تعزیتی اجلاس

"سرینگر ۲۲ نومبر۔ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کے صدر جناب ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب ۱۶ نومبر ۱۹۹۶ء کو رحلت فرما گئے **انا للہ و انا الیہ راجعون** اس سلسلے میں ایک تعزیتی اجلاس مسجد احمدیہ، قلمدانپورہ، سرینگر میں آج ۲۲ نومبر کو بعد نماز جمعہ منعقد ہوا۔ جو نماز جنازہ کے ساتھ ختم ہوا۔

یاد رہے یہ انجمن، اتحاد بین المسلمین اور اشاعت اسلام کی علمبردار ہے جس کے عقائد ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا نہ نیا اور نہ کوئی پرانا۔ کوئی بھی کلمہ گو کافر نہیں۔ سارے آئمہ اور محدث قابل احترام ہیں۔ خواہ وہ کسی بھی مسلک یا جماعت سے تعلق رکھتے ہوں" (روزنامہ "روشنی" سرینگر)۔

سرینگر جماعت کی قرارداد تعزیت

آج بتاریخ ۲۲ نومبر ۱۹۹۶ء بعد نماز جمعہ و نماز جنازہ غائبانہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی شاخ سرینگر کشمیر کا ایک تعزیتی جلسہ زیر صدارت مکرم ڈاکٹر خورشید عالم ترین صاحب، صدر جماعت سرینگر منعقد ہوا۔ مکرم محمد حفیظ اللہ قریشی صاحب کی تلاوت قرآن کے بعد مندرجہ ذیل ریزولیوشن اتفاق رائے سے پاس ہوئے۔

(۱) یہ جلسہ حضرت امیر جناب الحاج ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب قدس اللہ سرہ کی وفات حسرت آیات (۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء / ۳ رجب ۱۴۱۷ھ بروز جمعہ) کو ایک بہت بڑا قومی نقصان قرار دیتا ہے۔

(۲) حضرت امیر مرحوم جناب ڈاکٹر صاحب ورع و تقویٰ اور قربانی و ایثار کے لحاظ سے بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ موجودہ قحط الرجال میں ایسے متقی، متشرح اور مدبر پیشوا عنقا ہیں۔ احمدیوں کے خلاف تشدد اور نفرت کے خلاف آپ نے جس عزم، استقامت اور استقلال، ہمت اور یقین کامل کے ساتھ جماعت کی رہبری کی اس سے دشمن زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکے۔ آپ نے جماعت کی تاریخ پر ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

(۴) اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کو منعم علیہم بندوں کے ساتھ جوار رحمت میں جگہ دے۔ آپ کے پسماندگان اور لواحقین کو آپ کی جدائی برداشت کرنے کے لئے ہمت اور صبر جمیل عطا کرے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔ جماعت کو آپ کا نعم البدل دے کر اس مقدس مشن کو مستحکم بنائے جو مجدد دوران نے ہمیں سونپا ہے۔ آمین۔

(۵) قرارداد کی نقول مرکزی انجمن، جماعتی اخبارات اور لواحقین مرحوم کو بھیجی جائیں۔

نور الدین زاہد، سیکرٹری ڈاکٹر خورشید عالم ترین، صدر جماعت

عزیز کشمیری، ایڈیٹر روزنامہ "روشنی" سرینگر، کشمیر

جناب ڈاکٹر سید احمد، صدر احمدیہ انجمن اشاعت اسلام، لاہور کی وفات کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا۔ ڈاکٹر خورشید عالم صاحب نے خبر اسی دن سنائی۔ جب انہیں امریکہ سے فون آیا تھا اور راقم نے اسی دن ریڈیو، ٹی وی اور پریس کو بغرض نشرو اشاعت تحریری طور مطلع کیا تھا۔ موصوف نیک، ملنسار اور شریف النفس تھے۔ کئی خطوط ان کے میرے پاس موجود ہیں جن کے ایک ایک لفظ سے محبت و انکسار، ہمدردی و شفقت اور روحانیت کا اظہار ہو رہا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل جب سرینگر آئے تھے تو نماز جمعہ راقم ہی کے سابقہ مکان میں باجماعت ادا کی گئی اور مجھے تاکید کی تھی کہ جلسہ سالانہ میں شمولیت کے لئے ہزارہ سے آیا کریں تاکہ وہاں سے اکٹھے چلا کریں۔ اسی طرح حضرت مولانا محمد علی صاحب امیر جماعت نے مسجد کی بنیاد ڈالنے کے بعد میرے غریب خانہ پر آکر ملاقات و اعزاز کا شرف بخشا تھا اور حضرت مولانا صدر الدین صاحب قیام کشمیر کے دوران ہر جمعہ راقم کے پاس کچھ وقت ٹھہرا کرتے تھے۔ یہی شرافت نفسی دلوں میں گھر کر جاتی ہے اور روحانی ہستیاں زندہ جاوید ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس

بزرگوارم حضرت خان بہادر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات کی خبر پڑھی **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے سایہ رحمت میں بلند مقام عطا فرماوے آمین۔

بلانے والا ہے سب سے پیارا۔ اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

آپ کی زندگی ایک باخدا انسان کی زندگی تھی۔ قلم تو ان باتوں کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ وہ ہر وقت ایک کھلی کتاب تھے جس سے فیض حاصل کیا جا سکتا تھا۔ بحیثیت ڈاکٹر کے میں نے انہیں قریب سے دیکھا۔ جب بھی کوئی مریض آپ کے پاس سے جاتا تو اس کے چہرہ پر رونق آ جاتی۔ اسی طرح آپ کے کلام میں برکت تھی کہ درس قرآن اور حدیث کے لئے کھڑے ہو جاتے تو کمزور دلوں میں نئی حرکت پیدا ہو جاتی۔ ایسے پیارے وجود کی جدائی خاص طور پر جماعت احمدیہ کے پیاروں کے لئے بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ مگر یہ قدرت کا نظام ہے ہم سبھی اسی گاڑی کے سوار ہیں جو کہ اپنی رفتار میں چلتی چلی جا رہی ہے مگر منزل وقت کا کسی کو علم نہیں۔ جب وقت آ جاتا ہے تو رخصت ہونے والا ہمیشہ کے لئے اپنی منزل کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ خدا کرے حضرت ڈاکٹر صاحب کے لئے منزل پیارے محبوب آنحضرتؐ کے قدموں کا نصیب بن جاوے آمین۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ سب پسماندگان اور جماعت احمدیہ، لاہور کے افراد کو صبر جمیل عطا کرے اور ان کے نیک مشن کو آگے بڑھانے والے ہوں آمین۔

ہم سب اہل خانہ مع برادرم ظفر اقبال آپ سب کے صدمہ میں شریک ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب جماعت پر فضل فرماوے۔

ماہ جبین یوسف۔ امریکہ

مجھے ٹرینیڈاڈ سے زرینہ بہن نے حضرت امیر کی وفات کی خبر دی۔ مجھے اکثر ۱۹۷۳ء میں جلسہ سالانہ پر ایبٹ آباد کا سفر یاد آتا ہے۔ جب ہم سب اکٹھے دار السلام، لاہور سے مختلف جگہوں سے ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے جہاں ہماری ملاقات آج سے کافی عرصہ پہلے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب سے ہوئی جبکہ ابھی وہ امیر نہ بنے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جوار رحمت میں جگہ دے اور اس مشکل وقت میں آپ سب کا حامی و ناصر ہو۔

ایس علی ناصر۔ انڈونیشیا

ہمیں حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** ہم معذرت خواہ ہیں کہ اتنی دیر سے تعزیتی خط لکھ رہے ہیں۔ ابھی چند دن ہوئے منصور بسو کی صاحب کے ذریعہ یہ افسوسناک خبر ملی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مرحوم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کو صالحین اور شہداء کی معیت نصیب ہو۔

یقیناً انجمن کے لئے یہ بڑا نقصان ہے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے مشکل حالات میں انجمن کے لئے کئی مفید اقدام کئے اور دنیا کے مختلف ممالک میں لاہوری احمدی ان کے بے حد ممنون احسان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائے۔

از راہ کرم تمام احمدی بھائیوں اور بہنوں تک انڈونیشیا جماعت اور دیگر تمام احباب کی طرف سے تعزیتی پیغام پہنچا دیں۔ خاص طور پر حضرت امیر کے اہل خاندان کے لئے ہماری پر خلوص دعائیں ہیں۔

زرینہ محمد، سانفرنانڈو۔ ٹرینیڈاڈ

حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات پر دل کی گہرائیوں سے تعزیت قبول فرمائیں۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون** کی دعا ہی ہمارے دلوں کو صبر اور سکون عطا کر سکتی ہے۔ ہم خدا کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ہمارے حضرت امیر کو لمبی عمر عطا فرمائی تاکہ وہ ہماری رہنمائی فرما سکیں اور ہمیں دین کی معرفت اور اس کے لئے جذبہ خدمت سے سرشار فرماتے رہیں۔

حضرت امیر کی شخصیت ایسی تھی کہ وہ جماعت کے تمام افراد کے درمیان نہ صرف ایک مضبوط رابطہ تھی بلکہ ہم سب کے لئے ایمان کی مضبوطی کا باعث بھی تھی۔ اس لئے تمام جماعت کے لئے ان کی وفات سے ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جماعت کے تمام افراد اور ان کے اہل خاندان کو اس عظیم صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے اور یہ کہ جو دین کا اہم کام ان کے ذریعہ ہو رہا تھا وہ جاری رہے اور جماعت کی رہنمائی کا ذریعہ بھی جاری رہے۔ از راہ کرم لاہور جماعت کی مرکزی انجمن کی مجلس منتظمہ کے ممبران تک میرا تعزیتی پیغام پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت امیر مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

عثمان سائڈو۔ کیپ ٹاؤن، جنوبی افریقہ

مجھے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** وہ صحیح معنوں میں

اسلام کے خادم تھے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا ان کو نصیب ہو۔ میرے اہل خاندان اور جماعت کے دیگر احباب جن کا حضرت امیر سے گہرا تعلق تھا اس صدمہ میں آپ کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پرل شاعرہ دین محمد سان فرنانڈو' ٹرینیڈاڈ

مجھے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد افسوس ہوا۔ ابھی گذشتہ ہفتہ جب میں نے بہن ثمینہ ساہو خان سے حضرت امیر کی صحت کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے بتایا تھا کہ حضرت امیر ہسپتال میں ہیں اور انہوں نے درخواست کی تھی کہ حضرت امیر کی صحت کے لئے دعا کی جائے۔

ہم اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ حضرت امیر مرحوم پاکستان' انگلستان اور دیگر ممالک کی طرح ٹرینیڈاڈ کے لوگوں سے بے حد محبت اور شفقت رکھتے تھے اور جب کبھی ان سے ملنے کا موقعہ ملا تو ہمیں ایک روحانی قوت نصیب ہوتی تھی۔ وہ ایک نہایت اچھے دوست' بھائی اور ممتاز رہنما تھے اور لاہور اور بیرون ملک تمام جماعت کے احباب ان سے عقیدت رکھتے تھے اور وہ ان کے لئے رہنمائی کا سرچشمہ تھے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت کی نعماء سے نوازے اور ان کو بے لوث دینی خدمات کا اجر عطا فرمائے جو انہوں نے اسلام اور مخلوق خدا کی خدمت کے لئے سرانجام دیں۔ از راہ کرم میرا تعزیتی پیغام اراکین انجمن اور مرحوم کے اہل خانہ تک پہنچا دیں۔

عثمان ساہو خان' سڈنی' آسٹریلیا

ہمیں حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات سے سخت صدمہ پہنچا۔ صدر سڈنی جماعت کے گھر پر حضرت امیر مرحوم کے لئے نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

چوہدری مسعود اختر۔ ہیورڈ' امریکہ

ہیورڈ احمدیہ انجمن کے ممبران اور ڈائریکٹرز کے لئے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی وفات کی خبر انتہائی اندوہناک تھی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو ابدی سکون عطا فرمائے۔

مہربانی سے ہمارے تعزیتی پیغام بریگیڈیئر محمد سعید صاحب' بریگیڈیئر ناصر سعید صاحب' ڈاکٹر عبدالکریم سعید صاحب' ڈاکٹر زاہد سعید صاحب' بیگم محمد احمد صاحبہ اور بہن صفیہ سعید صاحبہ تک پہنچا دیں۔

۱۶ نومبر ۱۹۹۶ء کو اوکلینڈ جماعت اور ہم نے مل کر حضرت امیر مرحوم کے لئے نماز جنازہ غائبانہ پڑھی۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ہیورڈ کے مرکز کی افتتاح بھی حضرت امیر مرحوم نے ستر کی دہائی میں جب وہ یہاں نائب صدر کی حیثیت سے دورے پر آئے' فرمائی تھی۔ اس دورے کا بنیادی مقصد بیرونی جماعتوں کی تنظیم نو تھی۔ نماز جنازہ کے بعد ایک خصوصی اجلاس میں حضرت امیر مرحوم کی شخصیت اور ان کی دینی خدمات کے بارے میں مختلف لوگوں نے تقاریر کیں اور مرحوم کو شاندار خراج عقیدت پیش کیا۔

عبدل سنتو صاحب۔ روٹرڈیم' ہالینڈ

نہایت صدمہ اور غم کے ساتھ ہم نے تحریک کے عظیم رہنما حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے وفات کی خبر سنی **انا للہ و انا الیہ راجعون**۔ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اپنی قربت اور اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔

اگرچہ ہمارے پیارے حضرت امیر گذشتہ ۱۲ سالوں سے بیرونی دوروں پر نہ جا سکے تھے لیکن مجھے علم ہے کہ وہ ذاتی طور پر تمام جماعت کے لوگوں سے رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ہالینڈ کی جماعت کے سرکردہ ممبران کو اچھی طرح یاد ہے کہ ان کی نیک اور متوازن شخصیت تمام لوگوں پر گہرا اثر چھوڑتی تھی۔ ہم تمام مشکل لمحات میں دعا اور رہنمائی کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ہمیں اس بات کا بھی علم ہے کہ ہالینڈ کے لوگوں کے لئے ان کے دل میں خاص محبت تھی۔ ستر کی دہائی میں جب پاکستان میں جماعت کو سخت مشکلات کا سامنا تھا یہاں ہالینڈ میں ایک شہر کے بعد دوسرے شہر میں جماعتیں بنتی چلی جا رہی تھیں۔ حضرت امیر کا پرعزم چہرہ ہر موقع پر ہمارے لئے تقویت اور جذبہ ایمانی کا سرچشمہ ہوتا تھا۔ ان کے ساتھ اکثر موقعوں پر حافظ شیر محمد صاحب بھی ہوتے تھے۔ ہالینڈ کے لوگوں کے دلوں میں ان کی یاد ہمیشہ زندہ رہے گی۔

تمام جماعتوں اور فیڈرل انجمن ہالینڈ کے اراکین کی جانب سے اور بطور خاص محترم مولانا عبدالرحیم جگو صاحب' ڈاکٹر کرامت علی صاحب' حاجی حسن محمد صاحب اور تمام جماعتوں کے اراکین کی طرف سے تعزیت قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم

سب مل کر اس مشکل وقت میں دعا کریں اور اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کریں اور خدا کے دین کی خدمت کا از سرنو عزم کریں۔

ڈاکٹر نعمان الٰہی ملک' اوہائیو' امریکہ

ہم نہایت گہرے دکھ اور غم کے ساتھ حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ ان کی وفات ہمارے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ حالیہ سالوں میں جماعت میں ترقی ان کی دعاؤں اور روحانی اور اخلاقی رہنمائی کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی پوری زندگی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی عمدہ مثال تھی۔

حضرت امیر مرحوم کو امریکہ جماعت کے ساتھ گہرا لگاؤ تھا اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم ایک شفیق اور جہاندیدہ رہنما سے محروم ہو گئے ہیں ان کی دعائیں ہمارے لئے بڑی تقویت کا باعث تھیں اور ہم ان کی ایمان افروز موجودگی کی کمی کو ہمیشہ محسوس کریں گے۔ ہم انشاء اللہ زیادہ جوش و جذبہ سے اس مشن کو جاری رکھنے کی کوشش کریں گے جو مرحوم کے نزدیک سب سے عزیز اور اہم تھا۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے حضرت امیر مرحوم کو جنت میں مومنین کی معیت نصیب فرمائے اور ان کے اہل خاندان کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔

"اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا" (الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)۔

رشید پیر خاں صاحب۔ صدر احمدیہ انجمن' سرینام (جنوبی امریکہ)

اپنے روحانی رہنما حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات کی خبر سن کر بے حد صدمہ اور غم ہوا۔ ہم یہ کبھی نہ بھولیں گے کہ انتہائی ظلم و تشدد اور مخالفت کے وقت میں انہوں نے بڑے استقلال اور مضبوط قوت ارادی سے جماعت کی رہنمائی فرمائی۔ ان کی ذات تمام جماعت کے لوگوں کے لئے روحانی تحریک کا باعث تھی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی خاص جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے اہل خاندان کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

"اے اطمینان پانے والی جان! اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (الفجر ۸۹: ۲۷-۳۰)۔ سرینام احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے تمام احباب اور اراکین حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کے اہل خانہ اور مرکزی انجمن کے اراکین سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر مرحوم کو ان کی عظیم دینی خدمات کا اجر عطا فرمائے۔

نذیر خان۔ پاراماریبو' سرینام

میری طرف سے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمدؒ خاں صاحب مرحوم کے اہل خاندان اور اراکین مرکزی انجمنؒ کی خدمت میں پر خلوص اظہار تعزیت پیش ہے۔

محمد افضل فریاد پیر خاں' وزیر خارجہ' سرینام

ہمیں اپنے روحانی رہنما حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات سے گہرا دکھ اور صدمہ ہوا ہے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

شاہد عزیز' سیکرٹری' احمدیہ انجمن' انگلستان

گذشتہ رات کو حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات کی افسوسناک خبر ملی۔ ہم اس موقع پر نہایت خلوص اور عقیدت سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں۔ حضرت امیر ایک عظیم شخصیت تھے۔ جو مشکل حالات میں جماعت کے لئے مضبوط چٹان ثابت ہوئے تھے۔ بیرونی جماعتیں خاص طور پر انگلستان کی جماعت حضرت امیر کی بے حد ممنون ہے۔ انہیں کی کوشش سے جماعت کو مرکز کے لئے عمارت نصیب ہوئی۔ اور پھر ان کی اپیل پر گرانقدر عطیہ جات اکٹھے ہوئے جن کے ذریعہ قرض کی ادائیگی ممکن ہوئی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی روح کو اپنی جوار رحمت میں جگہ دے۔ برائے مہربانی ان کے اہل خاندان تک یہ تعزیت کا پیغام پہنچا دیں۔

محمد امین ساہو خان۔ جنرل سیکرٹری' احمدیہ انجمن' فجی

فجی احمدیہ انجمن کے اراکین اور ممبران نہایت محترم حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی وفات حسرت آیات پر گہرے دکھ اور غم کا اظہار کرتے ہیں۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔** میری طرف سے' ہمارے صدر ڈاکٹر محمد شمس الدین ساہو خان صاحب' فجی انجمن کے بورڈ کے ڈائریکٹر صاحبان اور فجی کی تمام جماعتوں کے ممبران کی طرف

سے مرکزی انجمن کے صدر اور اور امیر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب کی وفات پر اظہار ہمدردی اور افسوس کرتے ہیں۔ مرحوم ایک منفرد اور فرشتہ سیرت شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی پوری زندگی انتہائی انکساری اور خدمت دین اور خدمت خلق کے لئے وقف تھی اور آپ کو یہ سعادت بھی حاصل تھی کہ آپ نے حضرت مسیح موعود کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور آپ کی پوری زندگی دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کی زندہ مثال تھی۔

فجی احمدیہ انجمن کے چند اراکین ڈاکٹر شمس الدین ساہو خان صاحب، محبوب رضا صاحب اور خاکسار کو یہ سعادت حاصل رہی کہ ہم ان کو لاہور میں اور پھر امریکہ میں ان کے دوروں کے دوران ان سے ملے اور ان سے یہ ملاقاتیں ہمیں یاد رہیں گی۔

حضرت امیر کی اپنے اخروی سفر کے لئے روانگی سے ہم سب کو انتہائی صدمہ ہوا ہے۔ آپ کی جدائی ایک مدت تک لاہور احمدیہ تحریک کے ممبران کو ستاتی رہے گی۔ فجی میں سووا جماعت اور دیگر مراکز میں حضرت امیر مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کے لئے نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر مرحوم کی روح کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو اور ان کے اہل خاندان کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔

مختصر حالات: شاہد عزیز، انگلستان

۱۵ نومبر ۱۹۹۶ء جمعہ کی رات کے وقت احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور (لاہوری گروپ) کے امیر اور بین الاقوامی صدر حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب حکم الٰہی سے وفات پا گئے۔ **انا للہ و انا الیہ راجعون۔**

حضرت ڈاکٹر صاحب ۹ اکتوبر ۱۹۰۰ء کو مانسہرہ کے ایک مشہور علمی اور مذہبی خاندان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد حضرت مولانا محمد سعیدؒ حضرت سید امیرؒ جو پیر کوٹھا والا کے نام سے مشہور ہیں کہ خلیفہ تھے۔ پیر صاحب نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ مہدی پیدا ہو چکا ہے اور اس کی زبان پنجابی ہے۔ اس پیشگوئی کی بناء پر حضرت امیر مرحوم کے والد اور چچا نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب بانی سلسلہ احمدیہ کی دعوت پر لبیک کہا اور بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب نے چھ سال کی عمر میں بذریعہ خط حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کی۔ آٹھ سال کی عمر میں آپ پہلی بار قادیان تشریف لے گئے اور دسمبر ۱۹۰۷ء سے مارچ ۱۹۰۸ء تک وہیں رہے۔ اس دوران میں آپ نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کی۔ دوسری مرتبہ آپ ۱۹۱۲ء میں قادیان گئے جبکہ حضرت مولانا نورالدین صاحب جماعت کے خلیفہ تھے۔ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب نے ابتدائی تعلیم مانسہرہ میں حاصل کی۔ ۱۹۱۳ء میں آپ آٹھویں جماعت میں تھے کہ آپ نے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں داخلہ لے لیا اور دو سال وہیں تعلیم پائی۔ ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدین صاحب کی وفات اور مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب کے حضرت مرزا غلام احمد بانی سلسلہ احمدیہ کی طرف نبوت کا دعویٰ منسوب کرنے اور غیر از جماعت کلمہ گوؤں کو کافر قرار دینے پر آپ قادیان چھوڑ کر ایبٹ آباد چلے گئے اور وہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ جب آپ نویں جماعت میں تھے تو آپ قرآن مجید خوبصورت قرات سے پڑھنے لگے اور اس عمر میں ہی نمازوں کی امامت بھی شروع کی۔ آپ نے اسلامیہ کالج پشاور سے ایف ایس سی کیا اور اس کے بعد کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور میں داخلہ لے لیا۔ ۱۹۲۴ء میں آپ نے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا اور اناٹومی کے مضمون میں گولڈ میڈل حاصل کیا۔ آپ پہلے مسلمان تھے جس نے یہ گولڈ میڈل حاصل کیا اور اس پر لاہور کے مسلمان اخباروں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ اس دوران آپ احمدیہ بلڈنگز برانڈرتھ روڈ لاہور کے نزدیک رہے اور حضرت مولانا محمد علی صاحب کی صحبت سے استفادہ حاصل کیا۔ آپ کی شخصیت میں [illegible]یت کا اثر آخر تک نمایاں رہا۔ اسی دوران احمدیہ ینگ مینز ایسوسی ایشن قائم ہوئی اور حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم اس کے پہلے صدر تھے۔

ایم بی بی ایس کے بعد آپ صوبہ سرحد کے محکمہ صحت میں ملازم ہو گئے۔ آپ نے سینے کے امراض میں خصوصی تربیت حاصل کی اور ۱۹۳۹ء میں متحدہ ہندوستان کے سب سے بڑے گورنمنٹ ٹی بی سینی ٹوریم کے سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۴ء تک آپ اس ادارے سے منسلک رہے۔ اس دوران میں آپ ڈپٹی ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز مغربی پاکستان بھی مقرر ہوئے۔ آپ کی خدمات کے اعتراف میں حکومت برطانیہ نے آپ کو پہلے خان صاحب اور پھر خان بہادر اور حکومت پاکستان نے ستارۂ خدمت کے اعزازات عطا کئے۔ آپ نے دو دفعہ حج کیا۔ پہلی بار ۱۹۴۷ء میں اور دوسری دفعہ ۱۹۵۰ء میں شاہ عبدالعزیز ابن سعود کے مہمان کی حیثیت سے۔ حج کے دوران شاہ سعود نے آپ کو

اپنا خصوصی معالج بننے کی دعوت بھی دی۔ آپ نے ذاتی وجوہات کی بناء پر اسے قبول کرنے سے معذرت کی۔

۱۹۶۴ء میں ریٹائر ہونے کے بعد آپ نے ایبٹ آباد میں اپنے گھر کے ساتھ ایک کلینک بنوا کر پریکٹس شروع کی۔ اس کلینک میں اکثر مریضوں کا علاج مفت ہوتا تھا۔ ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے خلاف فسادات میں ایک ہجوم نے آپ کے گھر اور کلینک کا محاصرہ کر لیا۔ کلینک جلا دیا گیا اور حضرت ڈاکٹر صاحب کے گھر پر جس میں شہر کے تمام احمدی جوان' بوڑھے' عورتوں اور بچوں نے پناہ لے رکھی تھی بندوقوں سے گولیاں چلائی گئیں۔ موت کو آنکھوں کے سامنے دیکھ کر بھی حضرت ڈاکٹر صاحب اور ان کے ساتھیوں کے قدم نہ ڈگمگائے۔ آخر خدا تعالیٰ نے معجزانہ طور پر ان کی جانیں بچائیں۔ اس کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب لاہور تشریف لے آئے اور اپنی بقایا زندگی دین کی خدمت کے لئے وقف کر دی۔ آپ ۱۹۳۴ء سے مجلس معتمدین کے ممبر چلے آ رہے تھے اور ایک لمبا عرصہ جماعت کے نائب صدر بھی رہے۔ ۲۰ نومبر ۱۹۸۱ء کو مجلس معتمدین نے متفقہ طور پر آپ کو امیر اور صدر منتخب کیا۔ آپ نے بیرونی ممالک کے متعدد دورے کئے اور ۱۹۷۴ء کے نازک حالات کے بعد پاکستان سے باہر کی جماعتوں کو مستحکم کرنے میں نمایاں کام کیا۔

آپ کے دور میں نیوزی لینڈ' آسٹریلیا' ہندوستان میں کئی جگہ' ہالینڈ' انگلستان' ٹرینیڈاڈ' یو ایس اے اور کینیڈا میں باقاعدہ لاہور انجمن کی جماعتیں قائم ہوئیں۔ تراجم اور کتب کی طباعت کا کام یو ایس اے منتقل کر دیا گیا۔ کوئی درجن بھر زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم پر کام شروع ہوا جن میں سے کئی تراجم مکمل ہو چکے ہیں جیسا کہ فرانسیسی اور ہسپانوی' وغیرہ' سرینام (جنوبی امریکہ) میں لاہور جماعت کو نمایاں مقام حاصل ہوا۔ جنوبی افریقہ میں عدالتوں نے دو موقعوں پر احمدیوں کو مسلمان تسلیم کیا۔ فجی' گیانا اور سرینام میں عظیم الشان مساجد تعمیر ہوئیں جن پر کروڑہا ڈالر خرچ ہوئے اور انگلستان میں لندن اور ہالینڈ میں چار مقامات پر وسیع عمارات خرید کر مساجد بنیں۔ ہالینڈ میں یوترخت کے مقام پر ایک گرجا کو مسجد میں تبدیل کیا گیا۔

ہماری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور ہمارے کے لئے ان کی زندگی کو مشعل راہ بنائے۔ (آمین)

محمد یعقوب' چک نمبر ۲۳' تحصیل وہاڑی

۱۴ دسمبر ۱۹۹۶ء

میری ذاتی طور پر ان سے کوئی خاص خط و کتابت نہیں رہی لیکن میں ان کو امیر جماعت بننے سے پہلے حضرت امیر مرحوم مولانا صدر الدین صاحب کے زمانے سے دیکھتا اور سنتا آ رہا ہوں۔ آپ ہر پہلو سے ایک اعلیٰ نمونہ اور بابرکت ہستی تھے۔ آپ نہایت شیریں سخن نرم مزاج اور اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اس کے ساتھ آپ بلند عزم اور پختہ ارادہ کے مالک بھی تھے۔ آپ ملنسار ایسے کہ جب کسی سے ہاتھ ملاتے تو دیر تک ہاتھ نہ چھوڑتے آپ پہلے ہاتھ کبھی نہ چھوڑتے جب تک دوسرا ہاتھ نہ کھینچتا۔ ہمیں زیادہ تر جلسہ سالانہ پر ہی ان سے ملنے کا اتفاق ہوتا۔ آپ لمبی تقریر کے قائل نہ تھے۔ آپ کی تقریر مختصر لیکن معنی خیز اور موقع محل کے لحاظ سے دل میں اتر جانے والی ہوتی خاص طور پر فجر کی نماز کی دعاؤں سے اور جلسہ کی افتتاحی اور اختتامی دعاؤں سے آپ کی نرم خوئی' عجز و انکساری اور نرم دلی کا بخوبی پتہ چلتا تھا۔ ایجی ٹیشن کے وقت جب مخالفت کا طوفان اٹھا آپ کے گھر پر حملہ بھی ہوا اس سے آپ کے عزم و استقلال اور پختہ ارادہ کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ آپ کو کئی لوگوں نے سلسلہ احمدیت چھوڑنے کا اعلان کرنے کو کہا کہ خطرہ بہت ہے آپ نے سختی سے ان لوگوں کو کہا کہ مجھے ایسا کوئی مشورہ مت دیں میں کبھی ایسا کوئی اعلان نہیں کروں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ آپ مصائب اور مشکلات سے کبھی نہیں گھبرائے۔ آپ ہر پہلو سے فائدہ مند' نفع رساں اور کامل نمونہ تھے۔ آپ سلسلہ احمدیت کے لئے بابرکت وجود تھے۔ آپ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کو اعلیٰ پائے کی دینی تربیت دی اور اعلیٰ پائے کی دنیاوی تعلیم بھی دی جو ہم سب کے سامنے ہے۔ ہم جب جلسہ سالانہ سے واپسی پر ان کی نصیحت افروز تقریریں اور دعائیں سمیٹ کر لاتے تو ہمارے دل ان کی دعاؤں کے اثر سے ایسے اطمینان اور یقین سے بھر جاتے کہ ہم ایسا محسوس کرتے کہ آئندہ سال کے لئے گردش اور مصائب سے محفوظ ہو جائیں گے بلکہ ہم جب تک زندہ ہیں ان کی دعاؤں کا اثر ہم پر رہے گا۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ہمارے محترم بزرگ حضرت امیر مرحوم کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جناب محترم جتنا میں جانتا ہوں اتنا میں لکھ نہیں سکتا اور جتنا میں

لکھ سکا ہوں وہ میں نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف فرمائیں۔

حافظ عبدالرؤف صاحب، ملتان

۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ء

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ؐ کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو" (النساء ۴:۵۹)۔

میں جب فیصل آباد سے لاہور آیا تو میں نے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب (مرحوم) سے درخواست کی کہ مجھے مرکز میں جگہ دیں یا وزیر آباد میں یا گھر بھیج دیں۔ حضرت ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا کہ آپ ملتان چلے جائیں۔ میں نے دو دفعہ انکار کیا۔ پھر تیسری دفعہ انہوں نے فرمایا کہ آپ انکار نہ کریں ملتان چلے جائیں آپ کو فائدہ پہنچے گا۔ جب میں ملتان آگیا تو جس دوست کے ہاں ٹھہرا انہوں نے مجھے دو کمرے اور کھلا صحن رہائش کے لئے دیا نیز ہر ضرورت کی چیز مجھے مہیا کر دی۔ مجھے کسی چیز کے کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ یہاں تک کہ کرسیاں میز، گرم اور سرد بستر تک دے دیئے۔ کیونکہ میں حضرت امیر کے فرمانے پر لاہور سے آیا تھا۔ میں دو سال تک اس دوست کے ہاں مہمان ٹھہرا رہا۔ پھر جب جامع کی توسیع ہوئی اور مستورات کا کمرہ تیار ہو گیا تو میں جامع میں چلا آیا۔ پھر اس دوست نے اسی دن میرے پاس ایئر کولر بھیج دیا کیونکہ گرمی کا موسم تھا **جزاک اللہ احسن الجزاء**۔ میری دعا ہے اللہ تعالیٰ اس دوست کو خوش رکھے اور اپنے فضل سے نوازے۔ آمین!

ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں ان کی پیروی کی ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہیں کرے گے (طور ۵۲:۲۱)۔ میرے دل سے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد خاں صاحب اور جنرل عبداللہ سعید صاحب اور ملتان کے مہربان بھائی کے لئے ہر وقت دعا نکلتی ہے۔ جب میں ملتان آگیا تو میری بچی کو بی ایڈ میں داخلہ کے سلسلہ میں مشکل پیش آگئی۔ سالانہ دعائیہ میں میری ملاقات جنرل عبداللہ سعید (مرحوم) سے ہو گئی پہلے میں ان کو نہیں جانتا تھا میں نے انہیں اپنا مختصر تعارف کرایا اور بچی کے داخلے کی بات کی۔ ان کی کوشش سے اسے داخلہ مل گیا۔ سو الحمدللہ آج وہ بچی بر سر روزگار، بی ایڈ کر چکی ہے اور ایم اے کا امتحان دیا ہوا ہے۔

حضرت [illegible]ر مرحوم اور ان کی اولاد نے اپنے آپ کو خدا کے دین اور اس کی مخلوق کی خدمت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ "اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے" (البقرہ ۲:۲۰۷)۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پیارے حضرت امیر ڈاکٹر سعید احمد صاحب خان مرحوم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور جنت الفردوس میں بلند درجات سے نوازے (آمین) اور یہ بھی دعا ہے کہ ان کے لواحقین اور جماعت کو اتنا عظیم صدمہ برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

بابو محمد صادق۔ تھاتھی، ضلع ہزارہ

ورنیکلولر مڈل سکول شیروان سے آٹھویں جماعت پاس کرنے کے بعد ۱۹۲۴ء میں میرے والد صاحب مولوی عبدالرحمان مرحوم کی درخواست پر جناب حضرت امیر مرحوم جو ان دنوں اپنی بیماری کی وجہ سے ایبٹ آباد میں ایم بی بی ایس کے آخری امتحان کی تیاری میں مصروف تھے۔ مجھے گورنمنٹ ہائی سکول ایبٹ آباد میں جونیئر سپیشل میں داخل کروایا اور میرے رہن سہن کا انتظام جناب شیخ نور احمد صاحب وکیل مرحوم کے گھر کیا گیا جہاں جناب ڈاکٹر صاحب بھی ایک کمرہ میں مقیم تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ناشتہ کے بعد وہ ایک خوشنما، خوبصورت باغیچہ جہاں پانی کا تالاب تھا جس سے ایبٹ آباد کے شہریوں کو پانی مہیا ہوتا تھا جاتے اور شام کو واپس آتے۔ ان کا ملازم جب کبھی کسی کام میں مشغول ہوتا ان کا کھانا دوپہر کا میں لے کر جاتا۔

احمدیہ **بلڈنگس** میں ایک سالانہ جلسہ کی تقریر میں حضرت ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ جب میں امتحان کے لئے لاہور آیا تو جناب ڈاکٹر اللہ بخش صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب آپ پرچے تو کریں گے مگر پریکٹیکل کا کیا بنے گا۔ اس کشمکش میں رات کو سوچتا رہا اور پھر اللہ کے حضور اپنی درخواست پیش کی۔ نماز تہجد سے فراغت کے بعد نیند آگئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ کمرۂ امتحان میں ایک بڑی میز پر تمام وہ چیزیں اور اوزار وغیرہ جو پریکٹیکل کے امتحان میں آنی تھیں میرے سامنے موجود تھیں۔ صبح اٹھ کر انہی سے متعلق ابواب دیکھے۔ جب پریکٹیکل کا دن آیا وہی سامان اوزار وغیرہ جو میں نے خواب میں دیکھے تھے وہاں پائے اور میں نے بڑی آسانی سے سوالات حل کر لئے۔

جن دنوں حضرت ڈاکٹر صاحب بیمار تھے اور ریاست پھلڑہ کے پہاڑی مقام پر مقیم تھے تو مرحوم کے والد بزرگوار جناب مولانا حکیم محمد

یحییٰ صاحب نے میرے والد مولوی عبدالرحمان مرحوم سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب کے بچوں کو اس پہاڑی مقام پر پہنچا آئیں۔ چنانچہ میرے والد صاحب ان کے بال بچوں کو وہاں لے گئے۔ وہیں پر جناب حکیم صاحب نے فرمایا کہ ڈاکٹر کی صحت کے لئے خصوصی دعا کی جائے۔ جب میرے والد صاحب گھر (تھاتھی) پہنچے تو ان کے لئے دعا شروع کردی۔ گرمیوں کے موسم میں چھت پر صبح سویرے تہجد کے لئے اٹھتے اور دعا کرتے۔ ایک رات جب وہ دعا میں مشغول تھے اور کہہ رہے تھے کہ یا باری تعالیٰ ڈاکٹر سعید احمد کو جو نافع الناس ہے مکمل صحت عطا فرما۔ کوٹھے کی چھت کے سامنے قبلہ کی طرف ایک عورت الٰہی نور جھولی پھیلا کر آمین کہتی رہی۔ یہ آہ و زاری اللہ کے حضور جاری رہی اور الٰہی نور آمین کہتی جاتی۔ چند دن بعد جب میرے والد صاحب تھاتھی سے دیپ گراں گئے تو جناب حکیم صاحب مرحوم کو حال سنایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اب خدا کے فضل و کرم سے سعید احمد اچھا ہو گیا ہے۔ مگر دعا جاری رکھنے کا کہا۔ جب واپس اپنے گاؤں آئے دوبارہ دعا شروع کردی۔ ایک رات جبکہ وہ دعا میں مشغول تھے ایک بلند آواز سنائی دی "بل جوڑ ہو گیا ہے" یعنی مکمل طور پر صحت یاب ہو گئے ہیں۔

ملک عبدالسلام' برکسٹن' انگلستان

بزرگوار خان بہادر صاحب کی فوتیدگی کا سن کر دلی رنج ہوا۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون** میں اس غم میں آپ سب کے برابر کا شریک ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس نیک ہستی کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام دے اور آپ سب کو صبر دے۔

ارشد علوی' لندن

آج بانو بہن نے ویلے سے فون پر حضرت امیر (جان جی) کی فوتیدگی کی اندوہناک اطلاع دی۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون** سن کر بے حد دلی رنج ہوا۔ جان جی کی قرآنی آیات کی قرات آج بھی کانوں میں رس گھولتی محسوس ہوتی ہے جس سے وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ ان کے جماعتی کارنامے سنہری حروف میں لکھے جانے کے متقاضی ہیں جو انہیں زندہ رکھیں گے۔ خدا تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے آمین! ہماری دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

اے حمید چوہدری' سرے' انگلستان

ہمارے امیر جماعت حضرت ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب کی رحلت کا سن کر از حد صدمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

ایک مرتبہ جب آپ بیرونی دوروں کے سلسلہ میں لندن آئے تو دو دن کے لئے مجھے بھی شرف میزبانی بخشا اور مجھ سے فرمانے لگے کہ مجھے ان گھروں میں لے جاؤ جو آپ کو معلوم ہیں اور جماعتی سرگرمیوں سے دور ہیں۔ میں انہیں ہر اس گھر میں لے کر گیا جس کا مجھے علم تھا۔ آپ نے ہر ایک کو جماعتی تحریک میں حصہ لینے کے لئے دعوت دی اور اشاعت قرآن کے لئے چندہ بھی اکٹھا کیا۔ آپ نے فرمایا خواہ مجھے ایک پنس ہی دو میں نے امام وقت کے مشن کو چلانا ہے۔ آپ کے اس دورہ نے بیرون پاکستان جماعتوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی اور ان سے جماعت کو تقویت پہنچی۔ آپ جماعت میں اتحاد اور یگانگت چاہتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ آپس کی نفرتیں اور کدورتیں دور ہوں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اجر عظیم عطا فرمائے اور جماعت کو صحیح نعم البدل سے نوازے آمین۔

رابعہ خانم' ریٹائرڈ پرنسپل گورنمنٹ جامع ہائی سکول' ایبٹ آباد

پاکستان بنے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ میں ایک ٹیچرز ٹریننگ سکول میں زیر تربیت تھی۔ وہیں سے قسمت مجھے ڈاڈر سینیٹوریم میں لے گئی۔ حد سے گزری ہوئی بیماری' صحت یابی کا کوئی امکان نہیں تھا' مایوسی کی اتھاہ گہرائیاں تھیں اور موت کا انتظار۔

ایسے وقت میں ایک مسیحا جس کی شخصیت عظمت' پاکیزگی' شفقت اور محبت کا ایک حسین امتزاج تھی۔ جو ہر دکھی کا خدا بعد سہارا تھا۔ جو دوا کے ساتھ اپنے مریض کے لئے سحر میں دعا گو ہوتا تھا۔ اس کی بے پناہ توجہ' شفقت اور مہربانی مجھے خدا کے فضل سے موت کی وادیوں سے واپس کھینچ لائی۔ وہ عظیم ہستی جو کسی دکھی مریض کے پاس چند لمحے ٹھہر کر کچھ الفاظ ڈھارس اور حوصلے کے کہہ دیتا تھا تو اس کی آدھی تکلیف دور ہو جاتی تھیں اسی کی دعا' توجہ' مہربانی اور علاج نے صحت لوٹا کر مجھے پھر سے فعال دنیا میں پہنچا دیا۔

مزید تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں اچھے مقام پر پہنچ گئی۔ اکثر سوچتی ہوں اگر اس پروقار شخصیت کی مہربانی اللہ کے فضل سے میرے شامل حال نہ ہوتی تو شاید زمانہ کئی دہائیاں قبل مجھے فراموش کر چکا ہوتا۔ میری دعا ہے۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستان ہو ترا